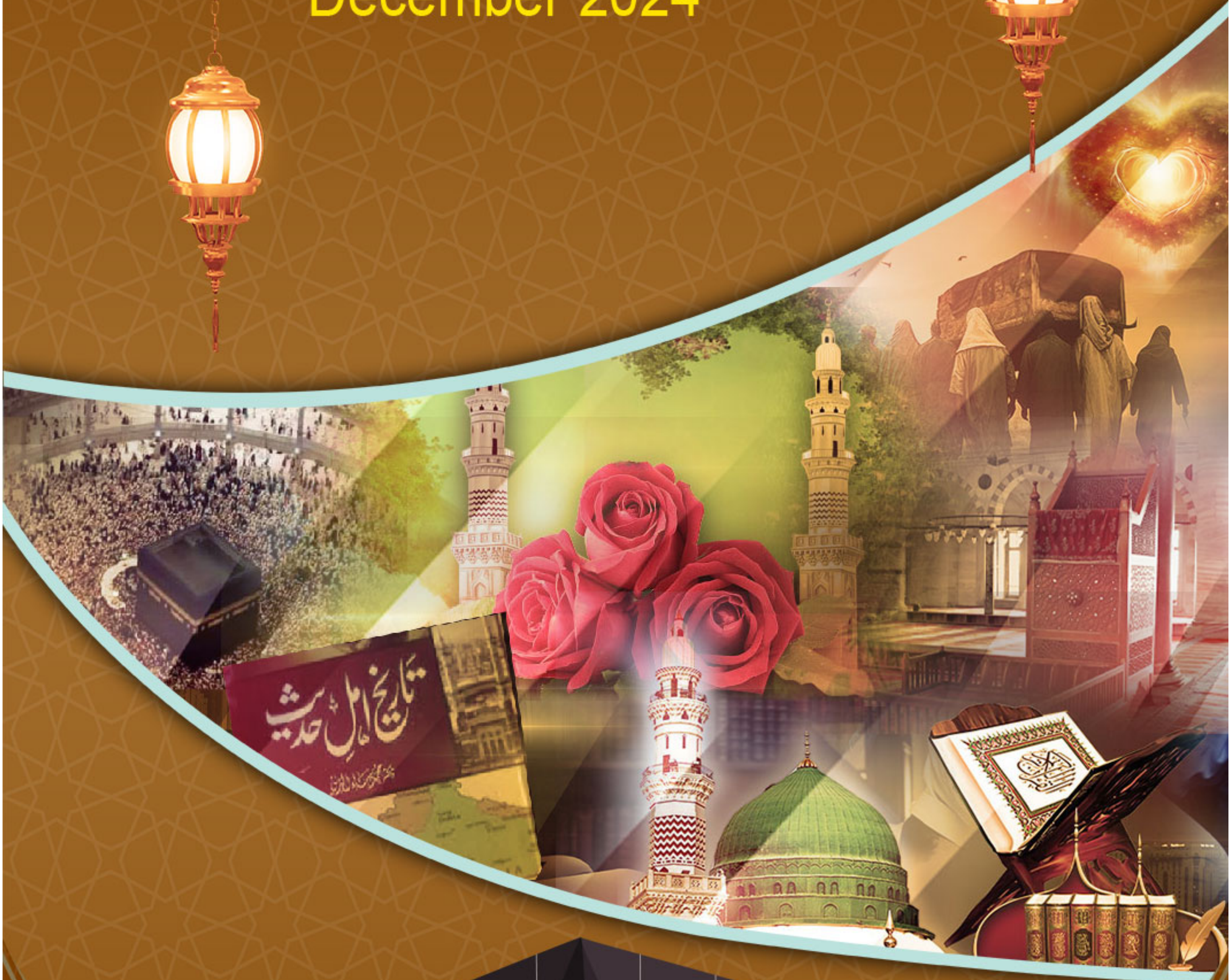
ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

December 2024





وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 45 No. 02 December 2024
Jumada al-Awwal/ Jumada al-Thani /1446 AH
جلد: 45 شمارہ: 02 دسمبر 2024ء
جمادی الاول/جمادی الثانی: 1446ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)



داعیان دین کے لیے گنج گراں مایہ حکمت

مولانا محمد عبد الہادی العمری

دعوتی میدان میں کامیابی کا انحصار جن چند اہم باتوں پر ہے ، ان میں ایک حکمت ہے۔ حکمت یعنی ٹھوس معلومات، موقع، محل اور مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے اپنی بات پیش کرنا، ممکن ہے کہ ایک اسلوب کسی کے لیے مناسب ہو لیکن وہی اسلوب دوسرے کے لیے غیر مناسب، یا ایک جگہ کے لیے جو بات مفید ہو سکتی ہے۔

دوسری جگہ کے لیے وہی غیر موزوں ہو، ملکی اور بین الاقوامی موجودہ حالات میں اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے، ایک ملک میں بیان کی جانے والی بعض باتیں یا بعض تعبیرات دوسرے ملک میں قابل مواخذہ بھی ہو سکتی ہیں۔ اس اعتبار سے ایک داعی کے لیے جہاں ٹھوس دینی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے، وہیں ارد گرد کے ماحول اور حالات کو سمجھنا بھی ضروری ہوگا، مخاطب کی رعایت جیسے ضروری ہے ویسے ہی جگہ اور حالات کی پاسداری لازمی ہے، اسی طرح وسائل تبلیغ کی کا صحیح استعمال ہے جو داعی کی کوششوں کو چار چاند لگا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو یہ ملکہ عطا فرماتا ہے، جس سے وہ کئی گم گشتہ راہ کی ہدایت کا سبب بنے اور مشاہیر کے مقابلہ میں میدان عمل کی نمایاں کامیابیاں ان کے حصہ میں آئیں، جبکہ نامی گرامی لوگ اس میدان میں کوئی قابل ذکر کامیابی نہ حاصل کر سکے، بڑوں کی باتیں مفروضات یا کتابوں تک ہی سکڑ کر رہ گئیں۔

برمنگھم شہر کے ایک داعی جنھوں نے جامعۃ الامام ریاض سے تعلیم حاصل کی ان کی تقریر کا مرکزی نکتہ عموماً عرب ممالک کے حالات کے گرد گھومتا، قطع نظر عنوان کوئی بھی دیا جائے، ایک جمعہ میں۔ دوران خطاب خلیج کے حالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک ملک کو ہدف تنقید بنایا، سامعین میں اس علاقہ کے لوگ بھی تھے۔ دوران خطبہ ہی احتجاج کرتے ہوئے وہ کھڑے ہو گئے، یوں جمعہ کے دن ایک ناپسندیدہ صورتحال پیدا ہو گئی اور پھر شیخ موصوف کو بتدریج شہر کی بیشتر مساجد میں دروس بلکہ اظہار خیال سے ہی منع کر دیا گیا۔

وہ مخلص اور باصلاحیت ہونے کے باوجود گھر تک ہی محصور ہو کر رہ گئے۔ خطبہ جمعہ عالمی تبصروں کے لیے نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کا فائدہ ہوتا ہے۔

ایک عرب عالم دین نے اٹلی کے ایک اسلامی سنٹر میں درس دیتے ہوئے روایتی جوش و جذبات سے بھرپور حقوق زوجین پر گفتگو کی، اس میں بیوی کو حسب ضرورت سزا دینے کی بات کی، کسی نے متعلقہ حکام تک یہ بات پہنچادی، مقامی پولیس شیخ کو گرفتار کر کے لے گئی، ان کا وہاں کا رہائشی پرمنٹ مستقل اقامہ نہیں بنا تھا، شیخ موصوف نے اپنی صفائی میں سورہ نساء کی آیت 34 پیش کی کہ یہ اس کی تشریح کر رہا تھا، لیکن اطالوی جج نے ان کی دلیل کو درخور اعتناء نہیں سمجھا، انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ دراصل یورپ میں بیوی پر دست درازی کو خلاف قانون سمجھا جاتا ہے۔ DOMESTIC VIOLENCE قابل مواخذہ جرم ہے۔

جرمنی کے شہر برلن میں ایک مشہور خطیب جنہیں فقہ شافعی پر خاصی مہارت تھی، ان کی مختلف کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے خطبات مقامی عرب کمیونٹی میں بہت پسند کئے جاتے، بیان میں عربوں کی زبوں حالی اور سربراہان کی مایوس کن کارکردگی پر زیادہ گفتگو کرتے، وفور جذبات میں بعض کلمات یہودی، صیہونی کا بے دریغ استعمال کرتے، اچانک انہیں گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا، یہود ایک مذہب کے پیروکار ہیں، ان کے خلاف نفرت انگیز جملے قابل مواخذہ ہو سکتے ہیں جبکہ صیہونی اسی مذہب کے پیروکاروں کی سیاسی نوعیت کی تحریک سے وابستہ افراد ہیں، ان کے خلاف تنقید ہو سکتی ہے، الفاظ کا چناؤ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

خوش نصیب ہے وہ جسے یہ وصف 'حکمت' جیسا گوہر نایاب مل جائے، یہ اللہ کا انعام ہے جو خاص بندوں کو ملتا ہے:

﴿ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ (سورة البقرة:269)

"وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے، اور جسے حکمت عطا کی جائے گویا اسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔"

داعی دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ حکیمانہ اسلوب اختیار کرے:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ﴾ (سورة يوسف: 108)

"آپ کہہ دیجئے کہ یہی میری راہ ہے، میں اور میرے فرمانبردار اسی کی طرف دعوت دے رہے ہیں ، بصیرت کے ساتھ۔"

آیئے، پہلے حکمت اور بصیرت کے مفہوم پر کچھ گفتگو

کر لیں:

اہل لغت نے حکمت کا مطلب لکھا ہے کہ جو حق کو علم اور فہم کے ساتھ دریافت کرے۔ (مفردات راغب اصفہانی)

لسان العرب میں کہا گیا کہ باتوں میں پختگی اختیار کرنا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ

وضع كل شئى في موضعه

"ہر چیز کو اس کی درست جگہ پر رکھنا۔" (مدارج السالکین: 2/478)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جادہ حق کی طرف دعوت مکمل یقین اور عقلی و شرعی دلائل و براہین کی متقاضی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت لقمان کے ساتھ بطور لقب حکیم استعمال کیا جاتا ہے، انہیں دی گئی اس خاص نعمت کا خصوصی ذکر کیا گیا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ﴾ (سورۃ لقمان:12)

"یہ کونسی حکمت ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا اس کا مطلب فہم، علم اور تعبیر کی صلاحیت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

حکمت موقع محل کی رعایت کرتے ہوئے اپنایا جانے والا اسلوب ہے جو کبھی نرمی، صبر اور برداشت کے ذریعہ اور کبھی ترغیب، و ترھیب سے اور کبھی قوت دلیل اور طاقت کے استعمال سے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لیکن یہ بحث و تکرار مد مقابل پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ غلبہ حق کے لیے ہو۔ بصیرت اور حکمت کے لیے پختہ علم، نرمی اور صبر ضروری عناصر ہیں۔ یہ قابل رشک وصف ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا» (صحیح بخاری: 73)

"قابل رشک دو قسم کے لوگ ہیں: ایسا شخص جسے اللہ نے دولت دی، راہ حق میں خرچ کرتا ہے، دوسرا جسے حکمت دی گئی اس سے وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے اور دوسروں کو علم سکھاتا ہے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ 'الحکمۃ' کبھی یہ کلمہ قرآن مجید کے لیے بولا جاتا ہے، کیونکہ کلام ربانی سارے کا سارا حکمت سے پر ہے، اور کبھی سنت نبوی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کتاب و حکمت کہا جائے اس سے سنت مراد ہوگی اور کبھی یہ علم و معرفت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (فتح الباری)

انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیاں اس وصف سے پُر تھیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں مختلف پیرایوں میں وارد ہوا ہے، ہر ایک حکمت کی اعلی مثال ہے، جب حکمران وقت کے سامنے اللہ عزوجل کے بارہ میں بتایا کہ وہی ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے، کم فہم اور کج رو حکمران نے دعوی کر دیا کہ اس کے لیے تمہیں آسمانوں کے مخفی خالق کی طرف جانے کی ضرورت نہیں، یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں یعنی جسے چاہوں قتل کر دوں اور جسے چاہے زندہ زندہ چھوڑ دوں، میرا حکم سب کے لیے نافذ العمل ہے، جیسے دور حاضر کے خود سر حکمران ایسے سمجھتے ہیں، نبی برحق نے اسلوب بدلتے ہوئے اس کج روی کا ایسے ہی علاج کیا کہ وہ اپنی بے بسی اور عاجزی کے آگے کھسیانہ ہو گیا، کہا کہ اللہ عزوجل کا حکم کل کائنات پر جاری ہے۔ اس کے حکم سے سورج مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا ہے، آپ اپنے حکم سے کل کا سورج مغرب سے نکال دیجئے!

ایک مناسبت سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے علاقہ کے مرکزی بہت خانہ میں رکھی مورتیوں کو عیب دار کر دیا تاکہ لوگ ان مورتیوں سے جڑی حکایات کی کمزوری کا بچشم خود مشاہدہ کر سکیں کہ جو اپنے وجود کی حفاظت نہ کر سکیں وہ تمہارے لیے حاجت روائی اور مشکل کشائی کیسے کر سکتی ہیں۔ نبی جلیل کا یہ اقدام اپنے علاقہ اور وہاں کے طور طریقوں سے واقفیت کی بنیاد پر مفید ثابت ہوا، مخالفین توحید کے سامنے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی حقانیت تو ثابت ہو گئی جس کا انہوں نے بھرے مجمع میں اعتراف کیا:

﴿قَالُوا مَن فَعَلَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ٥ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ٥ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ٥ قَالُوا أَأَنتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ ٥ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ ٥ فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنتُمُ الظَّالِمُونَ ٥ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنطِقُونَ ٥ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ٥ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ٥ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ٥ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ٥ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ﴾ (سورۃ الانبیاء: 59-70)

پھر سر نگوں ہو کر کہنے لگے کہ آئے ابراہیم تم تو جانتے ہیں ہو کہ یہ بت تو بول بھی نہیں سکتے، یہ اور بات ہے کہ اعتراف خطا کے باوجود سرکشی اور ہٹ دھری کے باعث ابراہیم کے وجود کو اپنے وطن میں ناقابل برداشت قرار دے کر علاقہ بدر کر دیا۔

کسی برائی سے روکنے کے لیے بھی حکمت کی شدید ضرورت ہوتی ہے، یہاں فرمان نبوی ﷺ نہایت غور طلب ہے۔

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم: 49)

اس حدیث میں منکر سے روکنے کے تین مختلف مراحل بتائے گئے ہیں، حسب مصلحت ان میں سے کسی کو اختیار کرنا چاہیے، گھر میں پائی جانے والی خرابی کو درست کرنے کا انداز بازار میں پائی جانے والی اسی نوعیت کی خرابی کو درست کرنے کے اسلوب سے مختلف ہو گا، ورنہ کسی مسئلہ میں جذباتی رویہ اختیار کر کے چند افراد کو تو خوش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چند لیڈروں کے جذباتی اسلوب کا سینکڑوں افراد کو خمیازہ بھگتنا ہو گا، اس غیر دانشمندانہ اسلوب کے نقصان کی بہت سی مثالیں گرد و نواح اور مختلف عرب ممالک اور بین الاقوامی سطح پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول رحمت ﷺ کو حکمت و بصیرت کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ واقعہ معراج انسانی تاریخ کا منفرد واقعہ ہے، اس کے ضمن میں ایک بات خاص طور پر ذکر کی گئی۔ آپ ﷺ کو اس سفر کے لیے تیار کرتے ہوئے آپ کے سینۂ انور کو ایمان و حکمت سے بھرا گیا۔

ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي، ثُمَّ أَطْبَقَهُ (صحیح بخاری: 349)

سیرت رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد زریں کی چند مثالیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں جو حکمت وبصیرت کی درخشاں مثالیں ہیں، کہ عہد نبوی اور صحابہ میں کیسے اس آیت پر عمل ہوتا رہا:

﴿ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (سورۃ النحل 125)

"اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہتر نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان کے ساتھ مناسب طریقہ سے حجت قائم کیجئے۔"

لیکن بگاڑ کے اس زمانہ یہ بتدریج حکمت و بصیرت کا فقدان دیکھنے میں آ رہا ہے اور نوجوان خاص طور پر اس کا شکار ہو رہے ہیں۔

مؤذن رسول ﷺ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر

یوں تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی سبق آموز باتوں سے بھری ہوئی ہے، اس وقت ان کے حوالہ سے ایک واقعہ جو حکمت نبوی ﷺ کی نہایت تابناک مثال ہے۔

فتح مکہ کے دن تقریباً دس ہزار مجاہد صحابہ کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، مقدس ترین علاقہ آج فتح ہو رہا تھا۔ مخالفین و معاندین اسلام کچھ مایوسی اور بے بسی کے عالم میں سر نگوں کھڑے تھے اور کچھ کونے کچلوں میں دبکے ہوئے اور کچھ نے راہ فرار اختیار کی، لوگ صحن کعبہ میں جمع تھے، آج سے پہلے اس صحن میں قدم رکھنے کے لیے مشرکین مکہ نے بھونڈی شرائط عائد کر رکھی تھیں اور کعبہ میں داخل ہونے کے اور بھی سخت اصول تھے، یہاں رنگ و نسل اور حسب و نسب کی بنیاد پر اجازت ملتی، آج کے اس تاریخی موقع پر رسول رحمت ﷺ نے اذان دینے اور اعلان توحید باری تعالیٰ کے لیے ان ہزاروں جاں نثاروں میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا کہ

بلال جو ایک سیاہ فام، پسماندہ پس منظر سے تعلق رکھتے تھے، جب حکم نبوی کے مطابق کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور صدائے اذان بلند کی، گرد و نواح میں جمع غیر مسلم یہ منظر دیکھ کر تڑپ اٹھے کہ بلا شک و شبہ بلال کو یہ رتبہ بلند صرف اسلام کی چھاؤں میں ہی مل سکتا ہے۔

وہ جانتے تھے کہ یہ وہی بلال ہیں جنہیں کعبۃ اللہ کے قریب آنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن آج وہی بلال ہے کہ ان کے قدم کعبہ کی چھت کے اوپر ہیں، یہ وہی بلال ہے جنہیں مکہ کی تپتی ریت میں گھسیٹا جاتا تا کہ کلمہ حق کا انکار کر دے لیکن آج وہ توحید کا باقاعدہ اعلان کعبہ کی چھت سے کر رہے ہیں۔

گو کہ ہر صحابی کا اپنا مقام اور حیثیت لیکن اس وقت آپ ﷺ نے جاہلیت کے مختلف بتوں کو اپنے عمل کے ذریعہ پاش پاش کر دیا کہ اسلام میں انسان کی عظمت ہے، اس کا کردار اسے عظیم بناتا ہے، رنگ و نسل اور معاشرتی ناانصافیوں کے بت آپ نے عملاً توڑ ڈالے۔ لوگوں کے سامنے عملی تصویر تھی۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (سورۃ الحجرات: 13)

اگر چہ کہ اذان بلالی میں کلمات وہی تھے جو ہر مسجد کا مؤذن دن میں پانچ بار دہراتا ہے، مگر آج کی اذان کی تاثیر کچھ اور ہی تھی۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں، لیکن ملا کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور

شاید یہ اذان کے پیغام اور معانی کی گہرائی کا اثر تھا کہ مؤذن نبی ﷺ آپ کی جدائی کے بعد پھر اذان نہیں دے سکے۔ دو ایک بار صحابہ کا شدید اصرار خصوصاً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر اذان دینے کے لیے کھڑے تو ہوئے لیکن جب اشھد ان

محمد رسول اللہ پر پہنچے تو بلال کی قوت اور ضبط جواب دے گیا، ان کے قدم، ان کا یا کلمہ کا وزن سہار نہ سکے، پھر تو ان کے لیے مدینہ منورہ میں قیام کرنا بھی مشکل ہو گیا۔

اگر چیکہ وہی گلی کوچے اور درو دیوار تھے لیکن دیدار نبوی سے محروم!

ثمامہ بن اثال

وقت کا مالدار، اپنے قبیلہ کا سردار، علاقہ کا بااثر شخص تھا، قبول اسلام سے قبل رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور دعوت حق کو روکنے کی ممکنہ تدبیریں کرنے والا ایک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے گرفتار کر کے بارگاہ رسالت ماب ﷺ میں پیش کیا گیا۔

بادی النظر میں یہ امید کی جارہی تھی کہ اس گستاخ کے خلاف سخت کاروائی ہوگی، اور خود ثمامہ کا بھی یہی خیال تھا، اس کی گفتگو سے تو اس کا اعتراف جھلکتا تھا لیکن دربار نبوی ﷺ سے جو فیصلہ صادر ہوا وہ سب کی توقعات کے بر خلاف تھا، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس قیدی کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ کر ایسے رکھا جائے کہ کھانے پینے یا ضروریات کا مکمل خیال رہے، ایسے زبان دراز اور مخالف اسلام قیدی کے حوالہ سے لطف و کرم کا فیصلہ بہت سوں کے لیے کچھ انوکھا تھا لیکن فیض یافتگان نبی ﷺ واقف تھے کہ اس دربار کا کوئی حکم کوئی فیصلہ حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، چنانچہ اس مشرک اور معاند اسلام قیدی کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اپنایا گیا، مدینہ منورہ میں اس قیدی کو بند کرنے کی جگہ کم نہیں تھی لیکن رسول اکرم ﷺ نے جو سبق اسے دینا چاہا، وہ مسجد ہی میں رکھنے سے پورا ہو سکتا تھا۔

ایک دن گذرا، دن بھر وہ صحابہ کرام کی آمد و رفت، عبادت میں ان کی رغبت، باہمی اخوت و محبت، سر زمین عرب میں رائج طبقاتی اور قبائلی اونچ نیچ کے بر عکس یہاں برابری اور یکسانیت کا پھر ان کا اپنے محبوب رسول اور قائد کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور برتاؤ کا بچشم خود مشاہدہ کرتا رہا، دن ڈھلے آپ ﷺ نے قیدی کا حال دریافت کیا۔ (صحیح بخاری: 4024)

اس نے نہایت کرخت لہجہ میں جواب دیتے ہوئی تین باتیں کی، اگر تم میری قید کے عوض کچھ مال چاہتے ہو تو بتاؤ، کیا چاہتے ہو معاوضہ ادا کر دیا جائے گا، اگر قتل کرنا چاہتے ہو تو اس کا اگر چیکہ تمہیں حق ہے لیکن یاد رکھنا کہ یہ خون مہنگا ثابت ہوگا، یعنی ایک بڑے قبیلہ کے سردار کا قتل تمہارے لیے گراں سودا ہوگا، گو کہ تمہیں اس کا حق حاصل ہے اور اگر عفو و در گذر کا رویہ اپناؤ گے تو اس احسان کا بدلہ اسی طرح لوٹایا جائے گا۔

نفرت و حقارت اور جاہلی عصبیت سے پر اس جواب کے بعد رسول حکیم ﷺ نے مزید ایک دن قید میں رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

دوسرا دن بھی پہلے دن جیسا گزرا، آپ ﷺ نے جب استفسار فرمایا تو وہی تین جملے اور اسی تیز و تند لب ولہجہ میں اس نے جواب دہرائے، آپ ﷺ نے تیسرے دن بھی مقید رکھنے کا حکم دیا، تیسرا دن گزرا اور آپ نے جب استقسار کیا تو قیدی کا وہی پہلے دن والا تلخ اور درشت اسلوب باقی تھا، پھر آپ ﷺ نے اس مہنگے قیدی کو بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کرنے کا حکم دے کر سب کو حیرت زدہ کر دیا کہ ایسا مغرور قیدی جو تین دن آپ کے ساتھ قید میں بھی بے ادبی کرتا رہا۔ اسے یوں ہی آزاد کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

قیدی آزاد ہونے کے بعد چند قدم آگے بڑھا، وہاں کسی درخت کے کنارہ میسر پانی سے مشرک اور بغض نبی ﷺ کی نجاست اور کثافت کو صاف کر کے واپس بارگاہ نبوی نیں ایک مطیع اور معتقد کے روپ میں لوٹا، قریب پہنچتے ہی اعتراف حق کا کلمہ دہرایا، أشهد أن لا إله إلا الله

حاضرین مجلس کے لیے یہ نہایت تعجب خیز لمحہ تھا کہ ایک سخت مخالف موم کی طرح پگھلا ہوا تھا، تین روز کی متکبرانہ اسلوب اپنانے والا اس درجہ عجز وانکساری کا نمونہ بنا ہوا ہے، وہ ایک صاحب فراست اور سردار ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے گویا وا، جس سے مسجد میں مقید رکھنے کی کی حکمت نبوی اشکارا ہوتی ہے، کہا کہ روئے زمین پر آپ سے زیادہ ناپسندیدہ شخصیت میرے نزدیک کوی نہیں تھی، آپ کے دین سے زیادہ برا دوسرا کوئی اور دین نہیں تھا، اور آپ کے شہر سے زیادہ برا کوئی دوسرا شہر نہیں تھا، لیکن آج آپ کے چہرہ انور سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا چہرہ نہیں، آپ کے لائے ہوئے دین سے زیادہ پسند یدہ دوسرا کوئی دین نہیں اور آپ کے شہر سے زیادہ دوسرا کوئی شہر عزیز نہیں۔

مسجد نبوی میں ایک دن گزارنے اور مشاہدہ حق اور فیض یافتگانِ نبی ﷺ کی باہمی اخوت و محبت کے مشاہدہ کے ساتھ ہی دل ومیں پائے جانے والی غلط فہمی دور ہو چکی تھی. جوابات میں لب ولہجہ کی درشتگی کی وضاحت کی کہ یہ میں آزمارہا تھا کہ اس دعوت دین میں آپ کی ذاتی غرض کتنی شامل ہے، جب کرخت جوابات کا متوقع رد عمل نہیں آیا تو یقین ہو چلا کہ اس دعوت کا مقصد اپنی ذاتی منفعت اور جاہ وجلال نہیں، یہ خالص اللہ کے لیے ہے، اس راہ میں ہر طرح کے تلخ و تند جملوں اور حالات میں بھی ذاتی ناگواری اور رد عمل نہیں۔

باقی دو دن تو گویا اضافی تھے، میں نے آزادی کا انتظار کیا تا کہ کوئی یہ طعنہ نہ دے کہ قید کے ڈر یا مجبوری نے اعلان اسلام پر مجبور کیا، بتانا چاہتا تھا کہ یہ ایک آزاد شہری کی حیثیت سے اسلام قبول کر کے اس دین کی حقانیت کا اعتراف اور اعلان کروں۔ پھر عمرہ، ادا کرنے کی اجازت طلب کی جب انہیں اجازت

مرحمت کی گئی تو ہجرت کے بعد سب سے پہلے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کا شرف پایا کہ بلند آواز سے تلبیہ کہتے ہوئے لبیک اللھم لبیک مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر سرداران قریش اور مشرکین مکہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، کہ اس کی مخالفت کریں گے تو بھوکوں مریں گے کیونکہ مکہ مکرمہ پہنچنے والا بیشتر اناج، غلہ اسی کی طرف سے آتا ہے اور اگر صدائے توحید کا تلبیہ بلند کرنے دیا جائے تو فرزند قریش محمد بن عبد اللہ ﷺ اور ان کے متبعین کی ہم نے مخالفت کیوں کی؟

تقسیم غنیمت پر چہ میگوئیاں اور بروقت حکیمانہ کاروائی

شوال 8 ہجری، غزوہ حنین کے لیے رسول اللہ ﷺ جب تقریباً دس ہزار صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ قریب پہنچتے ہی اطراف کی پہاڑیوں میں مورچہ زن مشرکین نے غیر متوقع اچانک حملہ کر کے صحابہ کو منتشر کر دیا، مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی، رسول اللہ ﷺ نے ہمت و شجاعت کے ساتھ منتشر صفوں کو متحد کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی۔

تقسیم مال غنیمت کے موقع پر آپ نے حسب ضابطہ ایک حصہ مجاہدین میں تقسیم فرمایا، اور خمس پانچواں حصہ اضافی مدد کے طور پر ان کے درمیان تقسیم کیا، جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔

اس اضافی تقسیم میں بظاہر محسوس ہوتا تھا کہ سینئر صحابہ خصوصاً انصار مدینہ کو نظر انداز کر دیا گیا، اس تقسیم کے بعد کچھ انصاریوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ رسول اللہ ﷺ کی صوابدید کا نتیجہ ہے، تو یہ قابل مواخذہ ہے، کیونکہ ہر مشکل موڑ پر جان جوکھم میں ڈال کر ہم نے ساتھ دیا اور تقسیم مال میں انہیں ترجیح دی گئی جن کی کوئی قابل ذکر کارکردگی یا قربانی نہیں ہے۔

انصاریوں نے یا کسی نے نہیں کہا کہ آپ ﷺ نے ذاتی طور پر زیادہ فائدہ اٹھایا۔ اس کے باوجود قبائلی عصبیت کے اعتبار سے تعصب اور نفرت کی بجھتی ہوئی چنگاریوں کو شعلوں میں بدلتے دیر نہیں لگتی اور اس کے سنگین نقصانات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جب آپ ﷺ تک یہ خبر پہنچی، آپ نے بر وقت اس کی خبر لی اور حکیمانہ تدبیر سے اس چنگاری کو ایسے بجھا دیا کہ ہر سپہ سالار اور سیاسی رہنما کے لیے اس میں گہرا سبق ہے۔ بعض مسائل ابتدائی حالت میں معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن غیر ضروری تاخیر سے شعلہ جوالہ بن سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے متعلقہ انصاریوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا تا کہ شکایت کنندگان کی شکایات براہ راست سن سکیں اور وہ لوگ رہبر و رہنما ﷺ کا جواب اور وضاحت سے آگاہ ہو سکیں۔ ورنہ بسا اوقات درمیانی واسطوں اور راویوں کی کثرت سے غلط فہمیاں پختہ ہونے لگتی ہیں۔ اس سے دوسرا سبق قائد اور عوام کا رابطہ اور تعلق بھی کس نوعیت کا ہونا چاہئے، سمجھا جا سکتا ہے کہ

آپ ﷺ نے اس ایشو کو اپنی شان اور عظمت کا مسئلہ نہیں بنایا کہ میں ان کی وضاحت میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں جو میں نے کیا وہ درست کیا، نہیں، آپ نے اپنی عظمت اور شان بلند کے باوجود ان کے ساتھ بیٹھنے کو ترجیح دی، نتیجہ کیا ہوا، جب عظمت کا مینار آپ کے ساتھ بیٹھ جائے تو آدھے مسائل از خود دم توڑ گئے۔

پھر آغاز گفتگو میں آپ ﷺ نے خود انصاریوں کی دین پسندی اور اس راہ میں ان کی قربانیوں کا اعتراف فرمایا، لیکن ساتھ یہ بھی وضاحت کی کہ اس دعوت حق سے پیشتر ان کی اپنی اخلاقی اور معاشی پستی کا کیا حال تھا کہ آپس کی خانہ جنگیوں کے باعث بغض و عداوت کی دیواریں کھڑی تھیں، اس سے انہیں معاشی اور معاشرتی متعدد پریشانیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ اس پریشان کن صورت سے پرامن معاشرہ اور خوشحالی کا یہ سفر رسول اللہ ﷺ کی برکت اور فیض ہے۔ یہ ایسی حقیقت تھی جس سے سب واقف تھے، انہوں نے بھری محفل میں یہ اعتراف کیا کہ ہاں یہ سب خوشحالی آپ کی مرہون منت ہے۔

پھر آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ میں اگر کسی نو مسلم کو زیادہ نوازتا ہوں تو یہ اس کی اسلام کے لیے قربانی کے عوض نہیں بلکہ تالیف قلبی کے لیے کہ دین اسلام میں اس کے لڑکھڑاتے قدم جم جائیں، اس کے لیے آگے کی راہ آسان ہو جائے، گویا اس عطا میں بھی تمہاری برتری ہے کہ تمہارے قدم دین میں اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ ڈگمگانے کا اندیشہ ہی نہیں۔

پھر آپ ﷺ نے وہ بات کہی کہ شکوہ و شکایات کی بجائے محفل میں گریہ وزاری شروع ہو گئی کہ بعض جذباتی لوگوں نے کتنی بڑی غلطی اور بے جا جسارت کی۔ آپ نے انہیں شرمندہ نہیں کیا، بلکہ آپ کے ایک جملہ نے ان پر ندامت کی چادر ڈال دی، آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا تمہارے لیے یہ اعزاز کی بات نہیں کہ دیگر لوگ یہاں سے لوٹیں تو اپنے ساتھ مال مویشی اور چوپائے لے جائیں اور تم لوٹو تو تمہارے ساتھ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تمہارے قافلہ میں ہوں۔ اس اعزاز کے مقابلہ میں عارضی مال و متاع کی حیثیت ہی کیا کہ اس اعزاز پر ایک زبان سبھوں نے اس عظمت اور سعادت کا اعتراف کیا، پھر آپ ﷺ نے ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا فرماتے ہوئے مجلس برخاست کی۔ ایک نہایت سنگین مسئلہ کو ناخن تدبیر سے یوں سلجھا دیا کہ

یہ چنگاریاں ابتداء ہی میں بھسم ہو گئیں۔

سیدنا جعفر ﵁ دربار نجاشی میں

مشرکین مکہ کا وفد جب حبشہ پہنچا، مہاجرین کے تعاقب میں مسلمانوں کے نمائندہ سیدنا جعفر نے دربار نجاشی میں گویا ہوئے۔
بادشاہ سلامت! ہم دور جاہلیت کے پروردہ لوگ تھے، بتوں کی پرستش کرتے مردار کھاتے، برائیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ رشتوں کو توڑتے، پڑوسی کی حق تلفی کرتے، ہم میں طاقتور کمزور کر کھا جاتا، ابتدائی تمہیدی گفتگو میں دور جاہلیت کی چند خرابیوں کا نقشہ نہایت مؤثر اسلوب میں کھینچا ہوئے ان برائیوں کا تذکرہ کیا، جس کی قباحت سے ہر غیرت مند واقف بھی تھا اور اتفاق بھی کرتا تھا۔
پھر گویا ہوئے یہ ہماری زبوں حالی کی کیفیت تھی اور ہم ان کی برائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کی اور ذاتی اوصاف، راست بازی، دیانتداری اور پاکدامنی سے ہم واقف تھے۔
یعنی کوئی اجنبی شخص نے یہ دعوی نبوت نہیں کیا۔ بلکہ اس نامی گرامی آدمی نے یہ بات کی، جس کی ذاتی شرافت زبان زد خاص و عام تھی۔ ہر کوئی اس پیکر صدق وصفا کی تعریف سے رطب اللسان تھا۔
اس تمہیدی گفتگو کے بعد اسلام کی بنیادی باتیں پیش کیں۔
ہمیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تعلیم دی کہ ہم اسی کی بندگی کریں اور ان رسموں کو چھوڑ دیں جس میں ہم اور ہمارے آباء مبتلا تھے۔
پتھروں کی پوجا، بت پرستی وغیرہ، ہمیں حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی۔
کہ صدق گوئی کو اپنائیں، امانت دار بنیں، صلہ رحمی کریں، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ باہمی خون خرابہ سے بچیں، برائیوں سے دور رہیں، الزام تراشی سے اجتناب کریں، یتیم کا مال غصب نہ کریں، پاکدامن خواتین پر بہتان تراشی سے گریز کریں۔ صرف اللہ ہی کی ہی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں، صلاۃ، زکوٰۃ اور صوم کا اہتمام کریں۔

اسلامی تعلیمات کا خلاصہ چند سطروں میں پیش کر دیا کہ جس میں عقیدہ، اخلاقیات، معاملات اور فرائض کی نشاندہی کی گئی۔
پھر اپنی پوزیشن واضح کی کہ ان پاکیزہ تعلیمات کو قبول کرتے ہوئے ہم نبی پر ایمان لے آئے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ شرک سے براءت کا اظہار کیا، جس چیز کو نبی نے حرام قرار دیا ہم نے اپنے اوپر ان چیزوں کو حرام کر لیا اور جن چیزوں کو حلال کہا ہم نے حلال جانا۔
اس کے بعد قوم کی طرف سے ہونے والے ردعمل اور رویہ کا تذکرہ کیا کہ ہمارے خلاف انہوں نے زیادتی کی، ہمیں طرح طرح سے اذیتیں پہنچائیں، تاکہ ہم اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہوں اور ان سب برائیوں کو روا رکھیں۔
جس کے ہم دور جاہلیت میں خوگر تھے۔
یوں حاضرین دربار کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا اس انداز میں ذکر کیا، جس سے ہر انصاف پسند اور آسمانی مذہب کے پیروکار متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔
اس کے بعد حبشہ کی طرف آنے کا نہایت دلنشیں اسلوب میں سبب بیان کیا، کہ جب ہم پر ان عربوں نے ہر طرح کے مظالم روا رکھا، ہمیں اپنے دینی معتقدات پر عمل کرنے سے روکنے کی کوشش کی تو ہم نے آپ کی سلطنت کا رخ کیا۔ دیگر علاقوں کو چھوڑ کر ادھر آنے کا سبب یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا، یہاں عدل و انصاف ہوتا ہے، فرماں روائے سلطنت کی جانب سے کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کی نیک نامی ہمارے ساتھ بھی برقرار رہے گی اور ہم یہاں کی ظلم کا شکار نہیں ہوں گے۔
اس بروقت اور مؤثر حکمت عملی و جرأت سے پر گفتگو کا اثر بادشاہ اور حاضرین دربار پر اتنا گہرا ہوا کہ انہوں نے قرآن سننے کی از خود فرمائش کی کہ جو آپ کے نبی پر جو پیغام ربانی نازل ہوتا ہے، اس کی کچھ تلاوت کیجئے۔
صحابی رسول نے موقع کی مناسبت سے سورہ مریم کی ابتدائی چند آیات ایسے اسلوب میں پڑھی کہ حق پسند بادشاہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، پھر مشرکین کے وفد کو کرارا جواب دیا کہ ان نفوس قدسیہ کو آپ لوگوں کے حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔
نووارد مسلمانوں کو مستقل قیام کا پروانہ عطا کیا گیا کہ جب تک چاہیں اطمینان کے ساتھ یہاں قیام کر سکتے ہو، تمہیں یہاں کوئی گزند نہیں پہنچائی جائے گی۔
مشرکین کے وفد نے جس طمطراق کے ساتھ حبشہ کا سفر کیا تھا۔ مسلمانوں کی حکمت عملی کے نتیجہ میں نہایت ذلت کے ساتھ ناکام واپس ہوا۔

سیدنا ربعی بن عامر، دربار رستم میں

عہد صحابہ میں فتوحات کا سلسلہ تیزی سے جاری تھا، دور دور تک اسلام کا ڈنکا بج رہا تھا، وقت کی عظیم طاقتیں قیصر وکسری کی فوج پر خوف کے سایہ گہرے ہو رہے تھے، قافلہ حق و صداقت کے فرزند صحابی جلیل ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ دربار رستم سپہ سالار کسری کے دربار میں پہنچے، اس شان بے نیازی سے کہ رستم کے درباریوں پر دہشت طاری ہو گئی، دراصل رستم نے یہ دربار مجاہدین کے ذمہ داروں کو مرعوب کرنے کے لیے سجایا تھا، مسلمانوں نے مشورہ کر کے اپنے سپہ سالار کے بجائے تجربے کار صحابی کو گفتگو و شنید کے لئے بھیجا، ورنہ یہ بھی خطرہ تھا کہ گفتگو کے بہانہ

کمانڈر کو نقصان نہ پہنچایا جائے، شاہی محل کی چمک دمک سے بے نیاز صحابی رسول نے اپنا نیزہ گاؤ تکیہ پر گاڑھا اور رستم کے روبرو بیٹھ گئے۔ ان کے انداز درویش اور رعب اسلامی کی جھلک سے وقت کا سورما طاقت وسطوت کا سرچشمہ رستم متاثر ہوئے بغیر نہ رہا، سوال کیا کہ مدینہ منورہ سے اتنی دور آنے کا بنیادی سبب کیا ہے، کیا معاشی تنگدستی افلاس اور بھوک کے مارے یہاں کا رخ کئے ہو یا کوئی اور مقصد ! صحابی رسول ﷺ نے جو جواب دیا۔

وہ حکمت اور جرات کی اعلیٰ مثال تین جملوں میں ساری غرض وغایت بتادی، ہم آئے ہیں تاکہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر لوگوں کے رب کی عبادت کا راستہ دکھائیں، دنیا کی تنگنائیوں سے نکال کر دنیا اور آخرت کی وسعتوں کی طرف رہنمائی اور مذہب کے نام پر لوگوں کے استحصال کے بجائے انہیں اسلام کے عدل وانصاف کی چھاؤں میں لے آئیں۔

اب تم یا تو دین اسلام قبول کر کے پرامن زندگی گزار و یا جزیہ ادا کر کے اپنی شکست تسلیم کر و یا میدان میں فیصلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

نہایت بے باکی کے ساتھ تین جملوں میں سارا خلاصہ نچوڑ کر رکھ دیا۔ یہ جملے دنیا کی سپر پاور کے دربار میں تن تنہا مخلص صحابی کی زبان سے اتنے موثر ثابت ہوئے کہ سپہ سالار کے ساتھ درباری بھی مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

رستم نے تحکمانہ لب ولہجہ فوراً بدلتے ہوئے استفسار کیا کہ آپ ہی مسلمانوں کے ذمہ دار اعلی ہیں؟

تجربہ کار زیرک صحابی نے برجستہ جواب دیا کہ میں تو فوج کا ایک سپاہی ہوں لیکن ہماری تہذیب اور روایات کے مطابق میرے فیصلہ کا تمام فوج بشمول سپہ سالار احترام کرے گی۔

اپنے اس حکیمانہ جواب سے سب ہی کو حیرانگی میں ڈال دیا کہ عام سپاہی کا یہ دبدبہ تو سپہ سالار کا انداز کیا ہو گا؟ نیز یہ کہ اس میٹنگ کے نتیجہ کا انہیں انتظار ہے، رستم نے اپنے گرد بیٹھے ہم نشینوں سے کچھ مشورہ کر کے چاہا کہ گفت وشنید کی مجلس کو طول دے، کہا کہ ہم ضروری مشورہ کر کے جواب دیں گے، ہمیں وقت درکار ہے۔

ربعی بن عامر نے جواب دیا کہ ہم تین دن سے زیادہ مہلت نہیں دے سکتے اور چوتھے روز انتظار کے بغیر ہماری فوج پیش قدمی کر دے گی۔ دوران مہلت آپ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا، گویا ہم اتنے تیار ہیں کہ جب چاہیں جنگی اقدام کر سکتے ہیں لیکن آپ کی درخواست پر مہلت دی جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار کامیابی عطا فرمائی اور دنیا کی عظیم طاقت کا سورج مجاہدین اسلام کی حکمت عملی سے غروب ہو گیا، صحابی رسول کی گفتگو کا ایک ایک جملہ پر غور کیجیے کہ کیسے اعلیٰ جنگی حکمت اور تدبیر سے پر اور توکل کی شان جھلک رہی ہے۔

☆☆☆

ہم وہ غلام بیعت ونسبت ہے آپؐ سے

جس میں نہیں ہے آپؐ سراسر رسولؐ پاک
وہ آئینہ نہیں ہے برابر رسولؐ پاک
میرے لیے تو پیڑ ہرا بھی گھنا بھی آپؐ
میرا مکاں ہے دھوپ کے اوپر رسولؐ پاک
گیلی ہے میری خاک تو گردش میں چاک ہے
پیکر میں ڈھالئے مجھے چھو کر رسولؐ پاک
دل میں اتر کے رہ گیا اترا جو آپؐ پر
اب کیا پڑھیں صحیفۂ دیگر رسولؐ پاک
پیاسے لبوں کو آپؐ سے دو گھونٹ کیا ملے
چپتا نہیں ہے کوئی سمندر رسولؐ پاک
ہم وہ غلام بیعت ونسبت ہے آپؐ سے
ہم خاک چھانتے نہیں در در رسولؐ پاک
میں آپؐ کے بغیر ادھورا تھا ہر جگہ
پورا ہوا ہوں آپؐ سے مل کر رسولؐ پاک
چلنے لگا ہوں آپؐ کی انگلی کو تھام کر
گم ہو سکوں گا بھیڑ میں کیوں کر رسولؐ پاک
کب غیر مہر وماہ کے سکّوں میں بک سکا
قیمت لگا چکا ہے بہت سر رسولؐ پاک

ڈاکٹر رؤف خیر حیدر آباد، دکن

☆☆☆

مولانا محمد ابراہیم میرپوری کے چچازاد بھائی وفات پا گئے

ناظم اسلامک ریلیف برمنگھم برطانیہ مولانا محمد ابراہیم میرپوری کے حقیقی چچا زاد بھائی حاجی محمد اسحاق ولد حاجی فیروز دین 60 سال کی عمر میں کوٹلی آزاد کشمیر میں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نیک وصالح اور خوش خلق تھے، بیوہ، سات لڑکیاں اور دو لڑکے پسماندگان میں شامل ہیں۔

الحمدللہ، نو بچوں کی شادی بیاہ سے مرحوم فارغ ہو چکے تھے، یہ دوسروں کے لیے سبق آموز بات ہے۔

یہاں برطانیہ میں امیر جمعیۃ مولانا شعیب احمد میرپوری، ناظم اعلیٰ قاری ذکاء اللہ سلیم، ناظم مالیات چوہدری افتخار احمد، مولانا عبد الہادی العمری، مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی، مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، حاجی عبد الغفور، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب اور دیگر علمائے کرام و احباب نے مولانا میرپوری سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سینکڑوں فتنوں کا مرکز بن چکا ہے، گویا ہم کہہ سکتے

ان سے بھی۔" (صحیح مسلم:2867)



﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (سورۃ الانفال:25)

"اور اس عظیم فتنے سے بچ جاؤ جو لازما ان لوگوں کو خاص طور پر نہیں پہنچے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا اور جان لو کہ اللہ بہت سخت سزا والا ہے۔"

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا کہ میں جو کچھ دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟ إِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ

"میں فتنوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ بارش کے قطروں کی طرح تمہارے گھروں میں داخل ہو رہے ہیں۔"

(صحیح بخاری: 7060؛ مسند احمد: 21748-21810؛ مسند البزار:2565)

یہ حقیقت ہے کہ یہ دور فتنوں کا دور ہے، ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا فتنہ سر اٹھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ فتنے اس قدر ہیں کہ ہر جگہ فتنوں کی بھرمار ہے، کسی کو بھی فتنوں سے مفر نہیں۔ کہیں مال کا فتنہ ہے، کہیں بے حیائی کا فتنہ ہے، قتل وغارت سمیت عورتوں کا فتنہ ہے، علمائے کرام کو چھوڑ کر جاہلوں کو امام بنانے کے فتنوں کے ساتھ ساتھ فتنۂ جہالت ہے۔ دنیا ترقی ہی کیا کر گئی سوشل میڈیا ہیں کہ یہ دنیا دار الفتن بن چکی ہے۔

ایسے حالات میں اسلام ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے؟ ہمیں کیسے فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے؟

اور کیسے اپنے دین کی حفاظت کرنی ہے؟

اس مضمون میں یہ سب کچھ جاننے کی کوشش کریں گے تاکہ ہم آنے والے فتنوں سے خود بھی محفوظ رہ سکیں اور اپنی آنے والی نسلوں کی تربیت کا سامان کر سکیں۔

پُرفتن دور میں ہمارا کردار کیسا ہو؟

فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

ہر مسلمان کو فتنوں سے بچنے کیلئے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالی کے سوا اور کوئی نہیں جو ان فتنوں سے بچا سکے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ»

"تم تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو، ان میں سے جو ظاہر ہوں ان سے بھی اور جو باطن ہوں ان سے بھی۔"

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:

نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

"ہم تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ان میں سے جو ظاہر ہوں ان سے بھی اور جو باطن ہوں

اور خود رسول اکرم ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تعلیم دی گئی:

يَا مُحَمَّدُ إِذَا صَلَّيْتَ فَقُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ، وَإِذَا أَرَدتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ

"اے محمد ﷺ! جب آپ نماز پڑھ لیں تو یہ دعا پڑھا کریں: اے اللہ! میں تجھ سے نیکیاں کرنے اور برائیوں کو چھوڑنے اور مسکینوں سے محبت کا سوال کرتا ہوں اور جب تو اپنے بندوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے اُس میں مبتلا کئے بغیر میری روح کو قبض کرلینا۔" (جامع ترمذی: 3233، 3234)

اس لیے فتنوں میں ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے بکثرت دعائیں مانگنی چاہیں، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

تَكُونُ فِتْنَةٌ لَا يُنْجِيءُ مِنْهَا إِلَّا دُعَاءٌ كَدُعَاءِ الْغَرِيْقِ

"جب فتنہ واقع ہوتا ہے تو اس سے ایسی دعا نجات دلا سکتی ہے جیسی دعا پانی میں غرق ہونے والا کرتا ہے۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ: 7/531)

عقیدہ توحید پر ثابت قدم رہنا

فتنوں کے دور میں مسلمان کو عقیدۂ توحید پر ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے قائم رہنا چاہئے۔ کیونکہ یہی عقیدہ ہی مسلمان کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اُس پر جو بھی آزمائش آتی ہے اور جو بھی فتنہ آتا ہے

وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کا حصہ ہے، جسے اس کو برداشت کرنا ہے اور اسے ہر حال میں راضی رہنا ہے اور ہر صورت میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (سورۃ التغابن:11)

”جو مصیبت بھی آتی ہے وہ اللہ کے اذن (اجازت) سے ہی آتی ہے اور جو اللہ پر ایمان لائے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ہر آزمائش و مصیبت اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے۔ لہٰذا ایسی صورتحال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے کہ جس کے حکم سے آزمائش ومصیبت آتی ہے وہی اس سے بچانے اور اسے ٹالنے پر بھی قادر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ

﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾

یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ پر یقین کامل ہو گا اس کے دل کی اللہ تعالیٰ راہنمائی کر دے گا، چنانچہ وہ جان لیتا ہے کہ اس پر آنے والی آزمائش و مصیبت اس سے چوک نہیں سکتی اور جو چیز اس سے چوک جانے والی ہے وہ اسے پہنچ نہیں سکتی۔ یہی یقین راسخ اس کے دل کو مضبوط کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر آزمائش و مصیبت کو برداشت کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہم جب بھی عقیدہ و منہج، عدالت و قانون سازی علم و عمل الغرض ہر لحاظ سے پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں گے تو ہر طرح سے امت کیلئے امن و امان قائم ہو جائے گا، اور امت مسلمہ امن و امان کا گہوارہ بن جائے گی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾(سورۃ الأنعام:82)

”جو لوگ ایمان لائے ، اور اپنے ایمان میں ظلم (شرک) کی آمیزش نہیں کی، حقیقت میں یہی لوگ امن کے مستحق اور ہدایت یافتہ ہیں۔“

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾(سورۃ الحج:38)

”یقینا اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کا دفاع کرتا ہے۔“

میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے دفاع کی ذمہ داری خود لی ہے، جبکہ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾(سورۃ غافر:51)

”اٹل حقیقت ہے کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی ضرور مدد کرینگے۔“ میں نصرت الٰہی کا وعدہ بھی ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے تھامنا

کیونکہ جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے، اس کا مطالعہ کرتا ہے، اس میں تدبر اور غور و فکر کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے، فتنوں میں اس کی راہنمائی کرتا ہے، اسے فتنوں کے اندھیروں سے نکال کر حق کی روشنی دکھاتا اور راہ حق پر گامزن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ 0 يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (سورۃ المائدۃ:15-16)

”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور (ایسی) واضح کتاب آچکی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کی اتباع کرتے ہیں اور اپنے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور صراط مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔“

اور یہی معاملہ سنت رسول ﷺ کا بھی ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے امت میں اختلاف کثیر واقع ہونے کی صورت میں اپنی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيْنَ الرَّاشِدِيْنَ ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

”تم میری سنت کو لازم پکڑنا اور اسی طرح ہدایت یافتہ اور راہ راست پر گامزن خلفاء کے طریقے پر ضرور عمل کرنا۔ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور اسے قطعانہ چھوڑنا۔ اور تم دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (سنن ابی داؤد:4607)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کو اختیار کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے ادوار خلافت میں بھی مختلف فتنوں نے سر اٹھایا، چنانچہ انہوں نے جس طرح ان کا مقابلہ کیا اور جس طرح انہوں نے ان فتنوں کی آگ کو ٹھنڈا کیا اس سے یقیناً آج کے فتنوں

کا مقابلہ کرنے میں بھی بہت حد تک راہنمائی مل سکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے امت کیلئے جن دو چیزوں کو چھوڑا اور جن کو مضبوطی سے تھامنے پر اس بات کی گارنٹی دی کہ یہ امت گمراہ نہیں ہوگی وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا تھا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا : كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي ، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضَ

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ ان کے بعد (یعنی اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا تو) کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک ہے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسری ہے میری سنت۔ اور یہ دونوں کبھی جدا جدا نہیں ہونگی یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گی۔“ (صحیح الجامع:2937)

لہٰذا اس دور کے مختلف فتنوں سے بچنے کیلئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے تھام لیں اور انہی سے راہنمائی لیں اور انہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔

دینی علم حاصل کرنا

فتنوں سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ دینی علم حاصل کریں، کیونکہ علم وہ نور ہے جو فتنوں کے تاریک راستوں کو روشن کرتا ہے۔ جبکہ علم کے مقابلے میں جہالت وہ تاریکی ہے جو انسان کو تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتی ہے۔ والعیاذ باللہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾ (سورة التوبہ:122)

”پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر فرقہ میں سے کچھ لوگ دین میں سمجھ پیدا کرنے کیلئے نکلتے تاکہ جب وہ ان کی طرف واپس لوٹتے تو اپنے لوگوں کو (برے انجام سے) ڈراتے، اس طرح شاید وہ (برے کاموں سے) بچے رہتے۔“

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي

”لوگ آپ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے اور میں آپ ﷺ سے شر کے بارے میں پوچھتا کہ کہیں مجھے آنہ لے۔ (الصحیحہ للألبانی: 2739)

آج کل جو نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں اور جس طرح اسلامی تعلیمات کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اور ہر آئے دن شکوک و شبہات پیدا کر کے نئی نسل کو دین سے بیزار کرنے کی مذموم کوششیں کی جارہی ہیں، تو ان سب چیزوں کا مقابلہ قرآن وحدیث پر مبنی شرعی علم کے ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے۔

یاد رکھیں! 'شرعی علم' شرعی علماء سے ہی حاصل کرنا چاہئے جن کے پاس قرآن وحدیث کا علم ہے، نہ کہ ان لوگوں سے کہ جو کل تک سنگر (گانا گاتے) تھے اور آج سکالر بن کر ٹی وی کی سکرین پر مفتی یا مبلغ بنے بیٹھے ہیں۔ اور نہ ہی ان نام نہاد مفتیان سے کہ جو قرآن مجید کی ایک آیت بھی صحیح طریقے سے نہیں پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی حدیث رسول ﷺ کا انہیں کوئی علم ہے اور نہ ہی ایسے لوگوں سے کہ جو سنی سنائی باتیں کرتے ہیں اور سوشل میڈیا پر گردش کرتی ہوئی جھوٹی اور من گھڑت روایات بیان کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ ، وَلَكِن يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ ، حَتّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا ، اِتَّخَذَ النَّاسُ رُوسًا جُهَّالًا ، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوا»

”اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے بندوں (کے دلوں) سے کھینچ لے، بلکہ وہ علماء کی ارواح کو قبض کر کے علم کو اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو مفتی بنالیں گے۔ چنانچہ ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے، اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“ (صحیح بخاری: 100؛ صحیح مسلم:2673)

اسی طرح ایک اور بات کی تنبیہ بھی انتہائی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ آج کل بہت سارے لوگ گوگل کے ذریعے علم حاصل کرتے ہیں! حالانکہ گوگل، صحیح علم کی طرف بھی راہنمائی کرتا ہے اور غلط کی طرف بھی۔ حق کی طرف بھی اور باطل کی طرف بھی۔ لہٰذا گوگل کے ذریعے علم حاصل کرنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ علم کے حصول کیلئے گوگل سے مدد ضرور لیں، لیکن علم صرف ان ویب سائٹس سے لیں جن کا منہج بالکل واضح ہے اور ان میں قرآن وحدیث پر مبنی شرعی علم پایا جاتا ہے۔ اور ان ویب سائٹس سے اجتناب کریں جن کا منہج واضح نہیں ہے اور ان میں ہر رطب و یابس کو جمع کیا گیا ہے اور صحیح اور غلط میں فرق نہیں کیا گیا۔

مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا اور تفرق سے اجتناب کرنا

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ عام طور پر رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کرتے تھے اور میں آپ ﷺ سے شر کے

متعلق سوال کرتا تھا، کیونکہ مجھے اس بات کا اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں میں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم جاہلیت اور شر میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر (اسلام) سے مشرف کیا، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آئے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد بھی کوئی خیر آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور اس میں کدورت ہوگی۔ میں نے کہا: کدورت سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِي ، وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ ، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ»

"ایسے لوگ آئیں گے جو میرے طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقے پر چلیں گے اور میری سیرت کو چھوڑ کر کسی اور کی سیرت سے راہنمائی لیں گے۔ تمہیں اُن کی بعض باتیں اچھی لگیں گی اور بعض بری لگیں گی۔" میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آئے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ ، دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيْهَا»

"ہاں کچھ داعی ایسے آئیں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف بلائیں گے، جو بھی ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اس کو اس میں گرا دیں گے۔"

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ان کی صفات بیان فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا»

"وہ لوگ ہم میں سے ہی ہونگے اور ہماری ہی زبان میں بات کریں گے۔"

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ زمانہ مجھ پر آ گیا تو آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَاءَهُمْ»

"تم ہر حال میں مسلمانوں کی جماعت اور ان کے حکمران سے وابستہ رہنا۔"

میں نے کہا: اگر مسلمانوں کی جماعت اور ان کا حکمران نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الفِرَقَ كُلَّهَا ، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ ، حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ»

"پھر تم ان تمام فرقوں کو چھوڑ دینا، خواہ تمہیں درخت کی جڑیں کیوں نہ چبانا پڑیں، یہاں تک کہ تجھ پر اسی حالت میں موت آجائے۔" (صحیح بخاری: 3606؛ صحیح مسلم:1847)

اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونا کس قدر خطر ناک ہے! اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں جس کے راوی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، فَمَاتَ ، فَمِيْتَةُ جَاهِلِيَّة»

"جو شخص اپنے حکمران سے کوئی ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو اسے صبر کرنا چاہیے، کیونکہ جو آدمی جماعت سے بالشت بھر الگ ہو اور اسی حالت میں اس کی موت آجائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔" (صحیح مسلم:1849)

بُرے لوگوں سے کنارہ کیجئے

اپنے آپ کو فاسقوں کی صحبت سے بچائے، چنانچہ جو شخص دین میں بگاڑ اور خرابیاں پیدا کرنے کے اسباب سے دور رہے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا دین بگڑنے سے محفوظ رہے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفار کے معاشرے میں رہنے والا مسلمان شخص کفریہ معاشرے سے متاثر ہو جائے، ہم نے بہت سے ایسے لوگوں کے بارے میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے کہ وہ دین اسلام سے بیزار ہو گئے، جنہوں نے اپنے دین کا سودا فانی دنیا سے کر لیا؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ کفریہ معاشرے اور کافروں سے مرعوب ہو گئے، اور ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کا دل اور ضمیر دونوں مردہ ہو گئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں:

"مسلمانوں کے ہاں سر اٹھانے والے فتنوں کے حالات کا اچھی طرح سے مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جسے ان امور میں دخل اندازی کا فائدہ ہوا ہو؛ کیونکہ ایسے امور میں دخل اندازی کا دینی اور دنیاوی ہر اعتبار سے نقصان ہوتا ہے، اسی لیے اسے شریعت میں منع قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ایسے امور سے بچ کر رہنا، ان فرامین الٰہیہ میں سے ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

"اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں انہیں فتنہ یا دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔" (منہاج السنۃ النبویہ: 410/4)

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"تم صرف اسی کو اپنا دوست بناؤ جس کا دین اور امانت تمہیں پسند ہو؛ کیونکہ اگر تم ایسے شخص سے دوستی کرو گے تو وہ تمہیں اپنے دین اور مذہب کی جانب لے جائے گا، اس لیے کسی ایسے شخص سے دوستی کر کے اپنے دین کو خطرے میں مت ڈالو جس کا دین اور مذہب تمہیں پسند نہیں ہے۔" (العزلۃ: ص141)

فتنوں کے ایام میں خصوصی طور پر عبادت میں مشغول رہنا

سیدنا معقل بن یسار ی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

الْعِبَادَةُ فِي الْمَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ

”فتنوں میں عبادت کرنا ایسے ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا ہے۔“ (صحیح مسلم:2948)

مطلب یہ ہے کہ زمانہ نبوی میں فتح مکہ سے پہلے دار الحرب سے ہجرت کر کے مدینہ آجانے اور آپ ﷺ کی رفاقت و صحبت کا شرف رکھنے والے کو جو عظیم ثواب ملتا تھا اس طرح کا عظیم ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جو فتنہ وفساد کی جہالت و تاریکی سے اپنے کو محفوظ رکھ کر اور مسلمانوں کی باہمی محاذ آرائی سے اپنا دامن بچا کر مولی کی عبادت میں مشغول اور اپنے دین پر قائم رہے۔

عقل کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنی زبان، ہاتھ پاؤں وغیرہ کی حفاظت کریں

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَكُونُ فِتْنَةٌ أَلنَّائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْمُضْطَجِعِ وَالْمُضْطَجِعُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَاعِدِ وَالْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِيُّ خَيْرٌ مِنَ الرَّاكِبِ وَالرَّاكِبُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْمُجْرَى»

”فتنوں کا ایسا زمانہ شروع ہوگا کہ اس میں سونے والا لیٹنے والے سے بہتر ہوگا، لیٹنے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہوگا، بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، چلنے والا سوار سے بہتر ہوگا اور سوار دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔“

راوی حدیث نے کہا کہ

فِيمَ تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ الزَّمَانَ قَالَ أُكْفُفْ نَفْسَكَ وَيَدَكَ وَادْخُلْ دَارَكَ

”اگر میں ایسا زمانہ پالوں تو آپ میرے حق میں کیا حکم دیتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے ہاتھ کو قابو میں رکھنا اور اپنے گھر کے اندر رہنا، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر کوئی فتنے باز میرے گھر کے اندر بھی گھس آیا تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اپنے کمرے میں داخل ہو جانا، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر وہ میرے کمرے میں گھس آئے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی سجدہ گاہ میں داخل ہو جانا اور اس طرح کر لینا، پھر آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کلائی کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ تم یہ مرتے دم تک کہتے رہنا کہ میرا رب اللہ ہے۔“ (الصحیحۃ للألبانی: 3254)

نیز ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ

«سَتَكُونُ فِتَنٌ أَلْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِيءُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي وَمَنْ يُشْرِفْ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ وَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْبِهِ»

”عنقریب فتنوں کا درو دورہ ہوگا، ان میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، جو اس فتنے میں جھانکے گا، فتنہ اسے بھی اچک لے گا، اس لئے ایسے حالات میں جو کوئی جہاں جگہ یا پناہ پائے وہاں چلا جائے۔“ (صحیح بخاری: 3601؛ صحیح مسلم: 2886)

تقوی اختیار کرنا

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (سورۃ الأنفال:29)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالی سے ڈرتے رہو تو وہ تمہیں (نور بصیرت عطا کر کے حق و باطل میں) فرق کرنے کی توفیق دے گا تمھارے گناہوں کو مٹا دے گا اور تمھیں معاف کر دے گا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (سورۃ الطلاق:3.2)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“

قارئین کرام! پوری امت اس بات کا یقین کر لے کہ برے حالات ہمارے اپنے ہی گناہوں اور بے حیائی کے عام ہونے کی وجہ سے ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے واضح لفظوں میں فرمایا:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ (سورۃ الشوری: 30)

”اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے اسکا سبب تمہارے اپنے کرتوت ہیں، حالانکہ اللہ تمہارے بہت سے گناہوں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔“

شادمانی و کامرانی کا راستہ یہی ہے کہ تمام مسلم معاشرے اللہ کی اطاعت پر کاربند ہو جائیں، اور نبوی سنت کو اپنالیں۔ چنانچہ تقوی و اطاعت الہی، اور اتباع سنت بحرانوں سے بچاؤ کا مضبوط ترین قلعہ ہے، جو ہر قسم کے حالات و اوقات میں کام آتا ہے، قرآن حکیم نے اسی بات کا اعلان کیا:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (سورۃ الأعراف:96)

”اور اگر کسی بھی معاشرے کے لوگ ایمان اور تقویٰ اختیار کر لیں تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیں لیکن افسوس) انہوں نے تکذیب کی اور پھر ہم نے انکے کرتوتوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔“

اس لئے مسلمانوں کو چیخ و پکار کی بجائے محاسبہ نفس کرنا چاہئے، اپنے دلوں کی اصلاح کریں، زندگی کی تمام سرگرمیاں اللہ کی رضا کے مطابق بنائیں، سابقہ گناہوں سے سچی توبہ کریں، کیونکہ پناہ صرف اللہ کی ذات ہی دے سکتی ہے، وہ ہی محفوظ ترین پناہ گاہ کا بندو بست کر سکتا ہے، اگر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرنا تو فتنے ہر طرف سے پے درپے حملے کرینگے۔

کثرت سے توبہ واستغفار کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (سورۃ الأنفال:33)

”اور اللہ ایسے لوگوں کو عذاب دینے والا نہیں جو استغفار کر رہے ہوں۔“

اس لیے فتنوں کے دور میں مسلمانوں کو صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اپنے تمام گناہوں پر اس کے سامنے ندامت و شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے معافی مانگنی چاہئے ۔ یوں اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل و کرم کے ساتھ فتنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

فارغ اوقات کو نفع بخش امور میں مشغول کرنا

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ : شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ» (مستدرک صحیحین: 7846)

”پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، محتاجی سے پہلے تونگری کو، مصروفیت سے پہلے فراغت کو اور موت سے پہلے زندگی کو۔“

اس حدیث میں مذکورہ پانچوں چیزیں (یعنی بڑھاپا، بیماری، غربت، مشغولیت اور موت) انسان کیلئے فتنہ بن سکتی ہیں۔ اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پہلے جوانی، تندرستی، تونگری، فراغت اور زندگی کو غنیمت سمجھ کر ان سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا حکم دیا۔

صبر کرنا

یعنی مختلف آزمائشوں اور فتنوں کو برداشت کرنا اور ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کرنا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا»

”اور یقین کر لو کہ مدد صبر کے ساتھ آتی ہے اور ہر پریشانی کے بعد خوشحالی یقینی ہے اور ہر تنگی آسانی اور آسودگی کو لاتی ہے۔“ (مسند أحمد:2804؛ جامع ترمذی: 2516)

قارئین کرام! ہم نے فتنوں کے شر سے بچنے کیلئے اب تک دس اسباب ذکر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان تمام اسباب کو اختیار کرنے کی توفیق دے۔ اور ہمیں ہر قسم کے فتنوں اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

گوشہ عافیت میں چھپ جانا

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتنوں کے دور میں اپنی کمانیں توڑ دینا اور ان کی تانتیں کاٹ دینا:

«وَأَلْزِمُوا أَجْوَافَ الْبُيُوْتِ وَكُوْنُوْا فِيْهَا كَا خَيْرِ مِنْ ابْنَيْ آدَمَ»

”اور اپنے گھروں کے اندر ہی رہنا اور آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے نیک بیٹے کی طرح (جنگ وجدل سے دست کش) ہو جانا۔“ (الصحیحۃ للألبانی: 1524)

سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ»

”عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب کہ ایک مسلمان کے لئے اس کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑی پر بارش برسنے کی جگہ چلا جائے اور فتنوں سے بھاگ کر اپنا دامن بچالے۔“ (صحیح بخاری:19+7088؛ سنن ابن ماجہ:3980)

اس حدیث کا مطلب بھی یہ تلقین کرنا ہے کہ جب ایسے فتنے رونما ہوں جن سے مسلمانوں میں باہمی افتراق و انتشار اور جنگ وجدل کی وبا پھیل جائے اور ایسا ماحول پیدا ہو جائے جس میں دین کو بچانا مشکل ہو تو اس وقت نجات کی راہ یہی ہوگی کہ گوشہ تنہائی اختیار کر لیا جائے اور جس قدر ممکن ہو سکے اپنے آپ کو دنیا والوں سے الگ تھلگ کر لے، چنانچہ فرمایا کہ ایسے میں سب سے بہتر صورت یہ ہوگی کہ ایک مسلمان بس چند بکریوں کا مالک ہو اور وہ ان بکریوں کو لے کر کہیں دور جنگل میں یا پہاڑ پر کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں کوئی چراگاہ اور پانی ملنے کا ذریعہ ہو اور وہاں ان بکریوں کو چرا کر ان کے دودھ کی صورت میں بقدر حیات غذائی ضروریات پر قناعت کر کے اپنی زندگی کے دن گزارتا رہے، تاکہ نہ دنیا والوں کے ساتھ رہے اور نہ دین کو نقصان پہنچانے والے فتنہ میں مبتلا ہو۔ لوگوں کو چھوڑیں اور اپنی آخرت کی فکر کیجئے۔

فتنوں کے دور میں لوگوں کو چھوڑ کر اپنی آخرت کی

فکر کریں۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”اے عبد اللہ بن عمرو، اس وقت تیرا کیا بنے گا جب تو گھٹیا اور ادنیٰ درجے کے لوگوں میں باقی رہ جائے گا، ان کے عہد وپیمان اور امانت و دیانت میں کھوٹ پیدا ہو جائے گی، وہ اختلاف وافتراق میں پڑ جائیں گے اور وہ اس طرح خلط ملط ہو جائیں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا، میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ایسے حالات میں کیا حکم دیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« عَلَيْكَ بِخَاصَتِكَ وَدَعْ عَنْكَ عَوَامَهُمْ»

”اپنی آخرت کی فکر کرنا اور عوام الناس کے معاملات میں نہ پڑنا۔“(الصحیحہ للألبانی: 206)

منافقوں کی سازشوں سے خبردار رہا جائے

کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے اندر موجود ہوتے ہیں اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے خلاف مختلف قسم کی سازشوں میں ملوث ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا مسلمانوں کی قوت کا شیرازہ بکھیرنا اور ان میں پھوٹ ڈالنا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہر آئے دن کوئی نہ کوئی نیا فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں اور مسلم ممالک میں انتشار، لاقانونیت اور فساد پھیلانے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کے منافقوں کی سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ 0 لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴾ (سورۃ التوبہ:47-48)

”اگر وہ (منافق) تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے لئے شر و فساد میں اضافہ ہی کرتے اور فتنہ پھیلانے کے ارادے سے تمہاری صفوں میں جھوٹی باتوں کے گھوڑے دوڑاتے۔ اور اب بھی تمہارے درمیان ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ انہوں نے پہلے بھی (غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں) فتنہ پیدا کرنا چاہا اور معاملات کو آپ کے لیے الٹ پلٹ کر رہے تھے، یہاں تک کہ حق سامنے آگیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ وہ نہیں چاہتے تھے۔“

جلد بازی سے اجتناب

فتنوں کے شر سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ جب کبھی کوئی فتنہ اور آزمائش آئے تو مسلمان جلد بازی نہ کریں، بلکہ تحمل، بردباری اور ٹھہراؤ سے کام لیں۔ اسباب وعوامل اور نتائج پر سوچ وبچار کریں، صائب الرائے لوگوں سے مشاورت کریں اور اگر ملکی و قومی سطح پر کوئی آزمائش آئے تو ارباب اقتدار کو موزوں اقدامات اٹھانے دیں اور ان کے سامنے کسی قسم کی رکاوٹ کھڑی کرنے کی بجائے ان کے دست و بازو بنیں۔ افواہوں پر یقین نہ کریں، بلکہ ہر خبر کی تصدیق کریں۔ افواہیں پھیلانا اور جھوٹی خبریں عام کرنا۔ منافقوں کی روش ہے، نہ کہ سچے مومنوں کی۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ (سورۃ النساء:83)

”اور جب انہیں امن و خوف کی کوئی خبر ملتی ہے تو اسے پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ارباب اقتدار کے سپرد کر دیتے تو ان میں سے تحقیق کی صلاحیت رکھنے والے اُس کی تہہ تک پہنچ جاتے۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین مدینہ منورہ کی روش کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے کہ وہ جنگ سے متعلق آنے والی ہر خبر کو بغیر تحقیق کے نشر کر دیتے ہیں۔ جس سے مسلمانوں کی صفوں میں تشویش کی لہر دوڑ جاتی ہے اور بعض کمزور ایمان والے مسلمان فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس طرح کے معاملات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب بصیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر چھوڑ دیتے تو وہ یقیناً ان کی تہہ تک پہنچ کر ان کا مناسب حل نکالتے۔

لہٰذا ہر دور میں مسلمانوں کو اس قسم کے منافقوں اور ان کی سازشوں سے متنبہ رہنا چاہئے، یوں وہ اپنے آپ کو اور اپنے اسلامی معاشروں کو فتنوں کے شر سے بچا سکتے ہیں۔ واللہ المستعان

باقی جہاں تک سوشل میڈیا پر گردش کرتی جھوٹی خبروں اور افواہوں کا تعلق ہے تو ان پر ہرگز یقین نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی انہیں ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرنا چاہئے، بلکہ ان کے بارے میں معتمد اور باوثوق ذرائع سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (سورۃ الحجرات:6)

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی میں نقصان پہنچا دو۔ پھر اپنے کئے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔“

☆☆☆



علمائے کرام نے اسباب کے سلسلے میں کچھ اہم قواعد نبی ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ نوع انسانی کی ہمدردی اور دنیا و آخرت کے خسارے سے اِنہیں بچانے کی جو فکر مندی رہی ہے وہ رہتی دنیا تک بہترین و بے مثل عظیم کارنامہ ہے۔

اب ہم اس کی ایک جھلک طائف کے اس واقعہ میں دیکھ سکتے ہیں؛ یعنی سردار دو جہاں کا طائف کا سفر بڑا کٹھن اور انتہائی صبر آزما رہا، جو داعیان اسلام کے لیے ہمت و حوصلہ پیدا کرتا ہے۔!! چنانچہ آپ ﷺ، مکہ والوں کی طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی اور آپ کی دعوت حق کا مسلسل انکار ہوتا رہا، لیکن داعی حق آنحضور ﷺ نے کبھی بھی ہمت نہیں ہاری اور برابر دعوت دین و اقامت دین کیلئے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اسی سلسلہ میں طائف کی طرف رخ فرمایا تا کہ طائف والوں تک اپنی بات پہنچائی جاسکے۔ نبی مکرم ﷺ نے اپنے ہمراہ سیدنا زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پیدل سفر کرتے ہوئے طائف کی طرف چل پڑے جو کہ مکہ سے ساٹھ میل کی دوری پر واقع ہے۔

ازراہِ سفر آپ ﷺ نے طائف سے قبل دو قبیلوں سے ملاقات فرمائی اور انہیں بھی دعوت پیش کی گئی لیکن ان قبیلوں نے بھی آپ ﷺ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ الغرض آپ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کے آپ طائف میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے ان سرداروں سے ملاقات فرمائی جو اس علاقے میں اچھا اثر رکھتے تھے جو آج کی اصطلاح میں (VIP) کہا جاتا ہے، غرض کہ آپ ﷺ نے ان کے سامنے وہی بات رکھی کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور میری رسالت کا اقرار کرو تا کہ خسرانِ آخرت سے بچ سکو، لیکن ان سرداروں نے بھی آپ ﷺ کی دعوت کے جواب میں بڑا حقارت آمیز رویہ اختیار کیا اور آپ ﷺ کی بات نہ مانی پھر آپ ﷺ ان منکرین حق سے یوں گویا ہوئے کہ تم لوگ اپنے ان ناپاک اور نا معقول خیالات اپنے پاس ہی رکھو یعنی اپنے ان خیالات سے لوگوں کو گمراہ مت کرو، یہ بات فرما کر آپ ﷺ نے عام لوگوں کی طرف اپنی دعوت کا رخ پھیر دیا اور اس کام میں آپ مصروف ہو گئے لیکن اس طرح نبی کریم ﷺ کا عوام الناس کو دعوت دین پیش کرنا طائف کے ان سرداروں کو ناگوار گذرا اور ان ظالموں نے آپ ﷺ کے پیچھے آوارہ اور بدمعاش لڑکوں کو لگا دیا اور آپ ﷺ جہاں بھی جاتے یہ اوباش و نابکار لڑکے آپ کو گالیاں بکتے ہوئے آپ ﷺ کا پیچھا کرتے اور ڈھیلے مارتے، آپ کے خادم سیدنا زید بن حارث رضی اللہ عنہ ہر طرح سے آپ ﷺ کو زخمی ہونے سے بچاتے لیکن سرداران طائف کی طرف سے لگا دیئے گئے ان بدمعاشوں کا انبوہ مسلسل پتھروں کی بارش کرتا ہوا آپ کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھتا یہاں تک کے نبی ﷺ اور آپ کے خادم سیدنا زید رضی اللہ عنہ (خادم رسول) بھی زخمی ہو گئے اور نبی کریم آقائے دو جہاں ﷺ کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ جسم اطہر سے نکلا ہوا خون آپ ﷺ کی جوتیوں میں اس طرح جم چکا کہ آپ کے پیر مبارک ان جوتیوں سے چمٹ گئے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظالموں نے اپنے ظلم کی انتہا کر دی۔

حضور ﷺ رحمت عالم

ایسے موقع پر ایک فرشتہ آتا ہے اور آپ ﷺ سے درخواست کرتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پہاڑ اٹھا کر ان اہل طائف پر ڈال دوں، لیکن آپ ﷺ کو جو کہ رحمت عالم بنا کر مبعوث فرمایا گیا تھا اسی لئے آپ ﷺ نے فرشتہ کی درخواست کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ قوم مجھے نہیں سمجھ رہی ہے۔ آئندہ ان کی نسلوں میں میری دعوت قبول کرنے والے پیدا ہوں گے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج طائف میں ہر طرف مسلمان پائے جاتے ہیں۔

دشمنانِ اسلام کی طرف سے آپ ﷺ پر مصائب و آلام کا لامتناہی سلسلہ جاری رہا ہے۔ اس دین رحمت کی خاطر آپ پتھر کھائے اور اسی دین حنیف کے غلغلہ کیلئے آپ ﷺ نے اپنے وطن عزیز شہر مکہ کو چھوڑا اور ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دین فطرت کی خاطر کفاران قریش کی طرف سے جنگ مسلط کر دی گئی تھی، آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مدینے میں بھی چین سے رہنے نہ دیا گیا لیکن داعی اعظم، رحمت عالم محمد ﷺ نے خدا کے دین کو خدا کے بندوں تک پہنچانے اور اس کے احکام اس کی زمین پر نافذ کرنے، کلمہ حق کو بلند کرنے اور کلمہ کفر کو پست کرنے اور ختم کرنے کیلئے اور اقامت دین کی خاطر پوری شدت کے ساتھ اور حکیمانہ انداز سے

جمے رہے اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی اسی کی تلقین فرماتے رہے اتنی مشکلات اور مصائب جھیلنے کے باوجود آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی استقامت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ نبی ﷺ کی 23 سالہ انتھک جدوجہد کے نتیجہ میں اللہ نے سرزمین عرب سے شرک کا خاتمہ کر دیا اور توحید کا بول بالا ہو گیا، نبی کریم ﷺ کی عظیم قیادت میں اسلامی تحریک کا قافلہ روز بروز آگے بڑھتا گیا اور اس راستہ میں اہل ایمان ہر طریقے سے اپنی قربانیاں پیش کرتے رہے اور اللہ کی طرف سے جو بھی آزمائش ہوتی رہی اس میں ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی یعنی ایک دن ایسا بھی آچکا کہ جو لوگ محض اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی پاداش میں مکہ مکرمہ سے نکالے گئے تھے وہی لوگ اپنے عظیم قائد سرکار دوجہاں ﷺ کے ساتھ فاتحانہ حیثیت سے مکہ شہر میں داخل ہوئے مرکز توحید کعبۃ اللہ کے اندر جتنے بت تھے یہ سب کے سب نکال دیئے گئے ایک وہ وقت بھی آگیا کہ دنیا کا ایک بڑا حصہ اسلامی پرچم تلے جمع ہو گیا۔

حالات حاضرہ

آج شیطان ملعون پرانے مشرکانہ عقائد و اعمال کو نیا لبادہ پہنا کر اولادِ آدم کے سامنے پیش کر رہا ہے، صیہونی طاقتیں اسلام کے خلاف کچھ اس طرح کی نامسعود حکمت عملیاں اپنائے ہوئے ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتیں۔

زر پرستی علانیہ ہو رہی ہے، مقابلہ حسن کے حسین نام پر قوموں کی بیٹیاں برہنہ کر دی جا رہی ہیں، جہیز کی لعنت کی بنا پر روزانہ سینکڑوں خواتین کو تیل ڈال کر آگ لگائی جا رہی ہے اور دیگر طریقوں سے ان معصوموں کی جان لی جا رہی ہے، دختر کشی کا عمل بھی ہو رہا ہے، خواتین و لڑکیوں کی عزت و آبرو لوٹی جا رہی ہے، زنا بالجبر کے واقعات عام سی بات ہو کر رہ گئی ہے، فحاشی و زنا بالرضا اور عریانیت انسانی سماج میں پائی جا رہی ہے، بناؤ سنگھار کے بے جا اظہار نے صنف نازک کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے، مخلوط تعلیمی ادارہ جات نے نوجوانوں کو اخلاقی پستی کی طرف دھکیل رہے ہیں، صرف بڑی عمر ہی کے نہیں بلکہ نوجوان طبقہ بھی شراب نوشی کا عادی ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں، اونچی ذات نیچی ذات کے احمقانہ مفروضے قائم ہو گئے ہیں۔

اسلام سے قبل کا وہی سودی نظام پوری شدت کے ساتھ نافذ ہو چکا، جس کی بدولت سرمایہ دار طبقہ غریبوں کا خون چوس رہا ہے، انسانوں کے بنیادی حقوق سلب کر لئے جا رہے ہیں اور جس طرح ایام جاہلیت میں بڑے بڑے طاقتور قبیلوں کی اجارہ داری قائم ہو چکی تھی ٹھیک اسی طرح ایک دوسرے انداز سے طاقتور ممالک اور گروہ اپنی اجارہ داری اور دادا گری قائم کر چکے۔

اسلام کے نام سے اٹھنے والی ہر آواز کو دبانے کیلئے ہر طرح کی کوششیں کی جا رہی ہیں، یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین، آقائے نامدار، سرکار دوعالم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کرنے کیلئے نت نئے طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے قبلہ اول پر ناجائز قبضہ ہو چکا، وہاں کے اصلی باشندوں کو جیل نما علاقہ تک محدود کر دیا گیا، اور جب چاہے بمباری کرتے ہوئے ان کے گھروں کو تباہ و برباد کیا گیا، خواتین و معصوم بچوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور اب ملت اسلامیہ کی یہ حالت ہو چکی کہ ان کے ہاتھ لوگوں کو کچھ دینے کیلئے بنائے گئے تھے لیکن یہی ہاتھ اب صاحب اقتدار لوگوں کے سامنے کچھ تحفظات کیلئے پھیلائے جا رہے ہیں یہ اور اس طرح کی دیگر باتیں مسلمانوں کو بحیثیت مرد مومن لمحہ فکر دے رہے ہیں کہ وہ سچے و پکے مسلمان بن جائیں۔

جہالت قدیمہ اور جہالت جدیدہ میں اب کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا

حکومت و اقتدار کی خواہش میں ناجائز طریقے اختیار کرنا ذخائر سیم و زر کی حرص، بے روک ٹوک جنسی خواہشات کی تکمیل، زن و مرد کی مخلوط تہذیب، عریانی و بے حیائی، جوا شراب نوشی (حب الوطنی کی جگہ) وطن پرستی، (انسانی ہمدردی کی جگہ) قوم پرستی، جیسے انسانیت سوز اعمال موجب فخر و ناز تھے۔ انسانوں پر انسانوں کی حکومت تھی۔ یہ حالت صرف عربوں کی ہی نہیں تھی بلکہ کم و بیش پوری دنیا کا یہی نقشہ تھا۔

ذرا غور سے دیکھئے، تو معلوم ہو گا کہ آج کی نام نہاد مہذب اور ترقی یافتہ دنیا کی بھی وہی حالت ہے۔ مذہبی دنیا ہو کہ لا مذہب دنیا، ان کے معاشرے ان کی تہذیب، ان کے اخلاق و معاملات، ان کی حکومت اور سیاست کا جائزہ لیجئے تو صاف نظر آتا ہے کہ جہالت قدیمہ اور جہالت جدیدہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چپہ چپہ پر فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑک رہی ہے، انسان انسان ہی سے بد ظن و خائف ہے۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں کی جو کشمکش ہے، مخلوط تہذیب کے جو حیا سوز کارنامے ہیں، انسانوں پر انسانوں کی حکومت کی جو تباہ کاریاں ہیں یہ تمام جہالت ہی کی ہنگامہ آرائی ہے۔

جہالت قدیمہ بھی الٰہی تعلیم کو بھول جانے کا قدرتی رد عمل تھا اور جہالت جدیدہ بھی الٰہی تعلیم سے

اعراض وروگرداں ہونے کاردعمل ہے، یہ ترقی یافتہ دنیا دراصل ترقی یافتہ جہالت ہے۔ (حوالہ کتاب "اسوہ حسنہ" حضرت مولانا صفوۃ الرحمن صابرؒ بانی ادارہ اہل سنت الجماعت کمان سلطان شاہی حیدراباد۔ یاد رہے مذکورہ کتاب تقریباً 60 برس قبل لکھی گئی تھی)

نبی کریم ﷺ کی یوم ولادت باسعادت کے مبارک موقع پر دنیا کے سارے مسلمان خوشی مناتے ہیں، خوشی کا اظہار کیوں نہ کریں جبکہ ایک ایسی عظیم ہستی دنیامیں تشریف لائی ہے، جو حقیقت میں بہار انسانیت کی نوید لائی ہے لیکن مسلمان صرف سال میں ایک مرتبہ چند گھنٹوں کیلئے خوشی کا اظہار کرلیں اور باقی تمام سال آپ ﷺ کی بعثت کے مقصد کو فراموش کردیں، اگر ایسا ہورہا ہے تو فوری اس طرز عمل میں تبدیلی لانا انتہائی ضروری ہے کیونکہ سال میں صرف ایک بار آپ ﷺ کو یاد کرلینا اور باقی ایام میں آپ ﷺ کے اصل مشن کو پس پشت ڈال دینا اہل ایمان کی شان کے خلاف بات ہوگی۔

مختصر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے مشن کو جاری رکھنا اب ہم مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے کیونکہ جہاں پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا اعلیٰ اعزاز عطا فرمایا (جو کہ پہلے کسی کو عطا کیا گیا تھا نہ قیامت تک کسی کو عطا ہوگا) وہیں پر آپ ﷺ کی امت کو بہترین امت کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوا:

"تم بہترین امت ہو تمھیں لوگوں کی بھلائی کیلئے نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے لوگوں کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر بھاری ذمہ داری ڈالی ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ ﷺ کے مشن (دین حق کے قیام کے لیے) محنتیں کرتے رہیں تاکہ دنیا سے ظلم وبربریت کا خاتمہ ہو، انسانوں کو ان کے حقوق ملیں، اولاد آدم ایک خدا کی بندگی و غلامی اختیار کریں، زمین پر جھوٹی خدائی کا خاتمہ ہو اور حقیقی معبود کی ہر طرف بڑائی چلے اور سارے عالم میں حقیقی مقتدر اعلیٰ کا قانون جاری و نافذ ہوسکے۔ اس راہ میں اہل ایمان کو تن، من، دھن کی بازی لگانا پڑے گا اور حقیقت یہ ہے کہ

"مومنوں کی جان و مال اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض خرید لیا ہے۔"

اس طرح اب نبی ﷺ کا لایا ہوا، دین اور آپ کی شریعت رہتی دنیا تک رحمت ہی رحمت ہے۔

غرض یہ کہ نبی ﷺ کی اتباع واطاعت میں سارے انسانوں کی حیات ہے اور اس میں انکی زندگی کی بہار ہے اس کے بغیر نوع انسانی ناکام ونامراد ہے۔

تو آیئے!!! آج ہم سب مل کر؛ خدا تعالیٰ کے بھروسہ اجتماعی طور پر اور انفرادی اساس پر بھی اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے مشن کو لے کر اٹھیں گے اور دنیا کو امن امان اور اللہ کی رحمت عامہ میں لے آنے کی جدوجہد کریں گے۔

☆☆☆

مؤسس عمر آباد کاکا محمد عمر کے پوتے کاکا محمد عمر ثانی کی اہلیہ محترمہ داغ مفارقت دے گئیں

جنوبی ہند میں واقع ایک بستی کا نام 'عمر آباد' ہے، اس لیے کہ ایک بڑے تاجر اور اللہ کے ولی حضرت کاکا محمد عمر صاحب نے جنگل میں ایک بستی قائم کی اور اس میں ایک بڑا مدرسہ جامعہ دار السلام قائم کیا جو ایک سو سال سے برابر جاری ہے، ان کے نامور پوتے کاکا محمد عمر ثانی نے اسی جامعہ کو آسمان تک پہنچادیا اور اپنی ساری زندگی اسی جامعہ کی ترقی اور عروج پر لگادی اور آج سے 40 سال قبل ریاض، سعودی عرب میں وفات پاکر مکۃ المکرمہ کے معروف قبرستان جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

امام بیت اللہ شریف نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد مولانا خلیل احمد عمری مدنی نے دعائے مغفرت کی اور ان کی نماز جنازہ اور تدفین راقم الحروف (ڈاکٹر عبد الرب ثاقب عمری) بھی شریک تھے۔ چالیس سال تک ان کی اہلیہ صاحبہ جو ایک بزرگ خاتون تھیں، انہوں نے بچوں کی تعلیم وتربیت میں اپنی زندگی وقف کردی اور انہیں دینی اور دنیاوی تعلیم وتربیت سے آراستہ اور پیراستہ کیا، جوان بیٹے جو جامعہ کی شریک معتمد تھے، کاکا محمد شاہد العمری بھی داغ مفارقت دے گئے مگر یہ صابرہ، شاکرہ، زاہدہ بزرگ خاتون تھیں۔ کاکا محمد خالد اور کاکا محمد حامد بھی جامعہ کے ذمہ داروں میں شامل ہیں اور کاکا انیس احمد العمری کے ساتھ مل کر جامعہ کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

اس موقع پر جامعہ دار السلام عمر آباد کے فارغین مولانا محمد عبد الہادی العمری المدنی، مولانا محمد حفیظ اللہ خان العمر المدنی، مولانا جی عبد الحق العمری المدنی، مولانا عبد الباسط العمری، مولانا انور جمال پاشا العمری، قاری عبد الرؤف عمری ریاض اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب عمری نے دعا کی کہ اللہ کریم مرحومہ کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین یارب العالمین



حسب ونسب پر فخر کرنا ناپسندیدہ عمل

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ اللهَ عَزّ وَجَلّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيّةَ الْجَاهِلِيّةِ وَالْفَخْرَ بِالْآبَاءِ، مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، النّاسُ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ، لَيَنْتَهِيَنّ أَقْوَامٌ عَنْ فَخْرِهِمْ بِآبَائِهِمْ فِي الْجَاهِلِيّةِ أَوْ لَيَكُونُنّ أَهْوَنَ عَلَى اللهِ مِنَ الْجِعْلَانِ الّتِي تَدْفَعُ النّتَنَ بِأَنْفِهَا.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في التفاخر بالأحساب:5116، سنن ترمذی، كتاب المناقب، باب منه:3956، صحيح الجامع للألباني:1787)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے عہدِ جاہلیت کی بری عادتیں اور آباءواجداد کی وجہ سے فخر کرنا ختم کر دیا ہے، متقی مومن اور بدبخت فاجر، تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ تمام قومیں عہدِ جاہلیت میں اپنے آباءواجداد پر فخر کرنے کی عادت سے لازماً باز آ جائیں، ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کالے کیڑے سے بھی کمتر ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے گندگی دھکیلتا ہے۔“

اس حدیث کے ابتدائی الفاظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں: ایک تو متقی و پرہیزگار مومن اور دوسرا شقی وبدبخت فاجر۔ اس روحانی تقسیم کے علاوہ انسانیت کی کوئی تقسیم نہیں کی جا سکتی، بلکہ تمام بنی نوعِ انسان ایک ہی باپ یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے سے برابر ہیں، کسی کو کسی پر چنداں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اپنے حسب ونسب اور آباءواجداد کی دنیوی شان شوکت پر فخر کرنا اور اترانا جاہلی امور میں سے ہے، کیونکہ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام نے آ کر ہی اس مذموم سوچ کی بیخ کنی کی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَدَعَنّ رِجَالٌ فَخْرَهُمْ بِأَقْوَامٍ إِنّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ فَحْمِ جَهَنّمَ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في التفاخر بالأحساب:5116، سنن ترمذی، كتاب المناقب، باب منه:3956، صحيح الجامع للألباني:1787)

”لوگ قومی فخر بالکل چھوڑ دیں، بلاشبہ یہ تو جہنم کا کوئلہ ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن ابی یزید روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبداللہ بنِ عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے سنا:

خِلَالٌ مِنْ خِلَالِ الْجَاهِلِيّةِ: الطّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالنِّيَاحَةُ وَنَسِيَ الثّالِثَةَ. قَالَ سُفْيَانُ: يَقُولُونَ إِنّهَا الِاسْتِسْقَاءُ بِالْأَنْوَاءِ

(صحيح بخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب أيام الجاهلية:3850)

”عہدِ جاہلیت کی عادات میں سے (تین) عادتیں (یہ ہیں:) نسب میں طعن کرنا، میت پر نوحہ کرنا اور تیسری وہ بھول گئے۔ سفیان کہتے ہیں کہ تیسری عادت وہ یہ فرماتے تھے کہ ستاروں کے ذریعے بارش مانگنا۔“

سیدنا ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنّ فِي أُمّتِي أَرْبَعًا مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيّةِ لَيْسُوا بِتَارِكِيهِنّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالِاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ، فَإِنّ النّائِحَةَ إِنْ لَمْ تَتُبْ قَبْلَ أَنْ تَمُوتَ فَإِنّهَا تَقُومُ عَلَيْهَا سَرَابِيلُ مِنْ قَطِرَانٍ ثُمّ يُعْلَى عَلَيْهَا دُرُوعٌ مِنْ لَهَبِ النّارِ. (مستدرك حاكم:1/383)

”میری اُمت میں چار کام دورِ جاہلیت کے ہوں گے، جنہیں لوگ چھوڑیں گے نہیں: حسب پر فخر کرنا، نسب پر طعن کرنا، ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنا اور نوحہ کرنے والی عورت نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو وہ (روزِ قیامت اس حالت میں) کھڑی ہوگی کہ اسے تارکول کا کُرتا پہنایا جائے گا اور اس پر پھر آگ کے شعلوں کا چوغہ پہنا دیا جائے گا۔“

اہلِ کتاب سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق وتکذیب کی ممانعت

سیدنا عبیداللہ سے مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ، وَكِتَابُكُمُ الّذِي أَنْزَلَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللهِ، تَعْرِفُونَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ، وَقَدْ حَدّثَكُمُ اللهُ أَنّ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ بَدّلُوا مِنْ كُتُبِ اللهِ وَغَيّرُوا، وَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكُتُبَ، وَقَالُوا:

﴿هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [البقرة: 79]، أَفَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ مَسْأَلَتَهُمْ، فَلَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا مِنْهُمْ قَطُّ يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ.(السنن الكبرى للبيهقي:162/10)

"اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے کیونکر سوال کرتے ہو؟ حالانکہ تمہاری کتاب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کے متعلق اَحدث (یعنی جدید ترین) کتاب ہے (مراد یہ ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی کتاب ہے) تم جانتے ہو کہ اس میں گڑبڑ نہیں ہو سکتی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتا رکھا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تغیّر وتبدّل کر دیا ہے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہہ دیا کہ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا "یہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہے، (اور انہوں نے یہ اس لیے کیا) تاکہ وہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کرلیں۔" کیا تمہیں جو (اللہ کی کتاب) سے علم ملا ہے وہ تمہیں ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کرتا؟ قسم بخدا! ہم نے تو کبھی ان کا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تم سے تمہارے اوپر نازل کردہ امور کے بارے میں سوال کرتا ہو۔"

ان سوالات سے مراد کسی مسئلہ میں ان سے شرعی راہنمائی لینا ہے۔ یہ قطعاً ممنوع ہے، کیونکہ ان کی شریعت منسخ ہو چکی ہے اور اسلام کے ہوتے ہوئے کسی اور دین کے احکام پر عمل کرنا ارتداد کے مترادف ہے۔

البتہ عام سوالات جن کا شرعی راہنمائی لینے سے تعلق نہیں ہو تا وہ پوچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثال کے طور پر اپنی تحقیق یا علم کے لیے ان کی کتب کا مطالعہ یا ان سے سوالات کرنا اس ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَقُولُوا: ﴿آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾» [العنكبوت: 46] (صحيح بخاري، كتاب تفسير القرآن، باب قوله تعالى: ﴿قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا﴾:4485)

"نہ تم اہل کتاب کو سچا کہو اور نہ ہی انہیں جھوٹا کہو، بس یہ کہو کہ ﴿آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ "ہم اس پر ایمان لائے جو ہم پر اور تمہاری طرف نازل کی گئی، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے تابع فرمان ہیں۔"

تصدیق اس لیے نہیں کرنی چاہیے کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی تحریفات کر دی ہیں جس کی وجہ سے صحیح وغیر صحیح خلط ملط ہو گئے ہیں اور ان کی پہچان مشکل ہے اور تکذیب اس لیے نہیں کرنی چاہیے کیونکہ باوجود تغیر وتبدل کے کسی نہ کسی بات کے درست ہونے کا بھی امکان ہے۔

علم نجوم سیکھنا اور نجومیوں کے پاس جانا حرام

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُومِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ»(سنن أبوداؤد، كتاب الطب، باب في النجوم:3905، سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب تعلّم النجوم:3726)

"جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ حاصل کر لیا اس نے جادو کی ایک شاخ حاصل کر دی، وہ اسے جتنا بڑھاتا جائے وہ بڑھتا جائے گا۔"

سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے علم نجوم سیکھنے سکھانے اور اس کے ذریعے کام کرنے کروانے والوں کے بارے میں فرمایا:

«وَمَا أَرَى مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ لَهُ عِنْدَ اللهِ مِنْ خَلَاقٍ.»(السنن الكبرى للبيهقي:139/8)

"میرا نہیں خیال کہ جو یہ کرتا ہو اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی حصہ ہو گا۔"

معاویہ بن حکم سلمی روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! مِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ، قَالَ: «ذَلِكَ شَيْءٌ تَجِدُونَهُ فِي أَنْفُسِكُمْ، فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ.» قَالُوا: وَمِنَّا رِجَالٌ يَأْتُونَ الْكُهَّانَ قَالَ: «فَلَا تَأْتُوا كَاهِنًا» (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة، ونسخ ما كان من إباحته:537، سنن أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب تشميت العاطس في الصلاة:930)

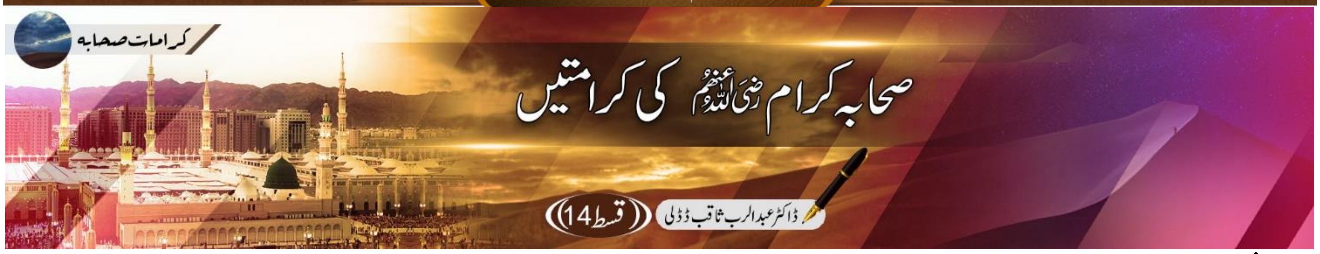
"نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے بعض لوگ فال نکالتے ہیں (ان کا کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ ایسی چیز ہے جسے تم اپنے دلوں میں محسوس کرتے ہو، لیکن یہ تمہیں (کسی بھی کام سے) ہرگز نہ روکے۔ انہوں نے کہا: اور ہم میں سے بعض لوگ نجومیوں کے پاس بھی جاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کاہن کے پاس مت جاؤ۔"

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»(صحيح مسلم، كتاب السلام:2230)

"جو کسی نجومی کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بابت پوچھا، اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔"



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامتیں

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

(قسط 14)

مدائن فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کے لیے دریائے دجلہ کو قابو میں کر دینا

ابن رُفیل سے روایت ہے، انہوں نے خبر دی کہ جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے بہر سیر نامی مشرق سے قریبی شہر میں پڑاؤ ڈالا، تو کشتیاں طلب کیں تا کہ لوگ خسرو کے محل کی جانب واقع دور دراز شہر تک پہنچ سکیں، لیکن یہ کام انجام نہیں پا سکا، کیوں کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ انہوں نے کشتیوں کے ذریعے ناکہ بندی کر رکھی ہے، لہٰذا اوریا پار کرنے کی غرض سے ماہ صفر کے کچھ دن بہر سیر ہی میں گزار دیئے، کیونکہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی جانی فکر لاحق تھی۔ اسی اثنا میں کچھ انتہائی طاقت ور عجمی لوگ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک ایسے آبی راستے کی خبر دی جو سیدھے وادی کے بیچوں بیچ پہنچاتا تھا، لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز قبول نہیں کی بلکہ تردد کے شکار ہو گئے۔ اسی دوران پانی جب اچانک دریائی کنارے پر زیادہ جمع ہو گیا تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ مسلمان گھوڑ سوار دریا میں کود پڑے ہیں، بلکہ اسے پار کر چکے ہیں، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے درپیش دریائی مرد کی کیفیت سے ایک بڑا نتیجہ اخذ کیا اور خواب کی تعبیر عبور دریا سے کی، پھر لوگوں میں منادی کی حمد وثنا کے بعد کہا کہ تمہارے دشمن نے اس دریا کو اس طرح ڈھال بنا رکھا ہے کہ تم ان پر حملہ آور نہیں ہو سکتے ہو لیکن وہ جب چاہے تم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں اور اپنی کشتیوں ہی میں رہ کر تمہارے ساتھ اپنی قوت آزما سکتے ہیں جب کہ تمہارے ساتھ کوئی ایسا مال و متاع ہی نہیں جس کے چھن جانے کا تمہیں خدشہ ہو۔ فی الحال میں نے عبور دریا کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے، سب نے ایک آواز ہو کر کہا کہ اللہ نے ہماری اور آپ کی رہنمائی کی، لہٰذا آپ آگے بڑھیں، سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی کہ لشکر دریا پار کرے اور پوچھا کہ کون آگے بڑھے گا اور ہمارے لیے دریائی گڑھے پر قبضہ کرے گا تا کہ لشکر وہاں جمع ہو جائے اور دشمن کو وہاں سے نکلنے نہ دیں، اس مہم کے لیے عاصم بن عمرو تیار ہوئے اور ان کے بعد کمک سے چھے سو جنگ جو بھی تیار ہو گئے، جن کا ذمہ دار سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمرو کو بنایا۔ بلآخر عاصم ان کے ہمراہ چل پڑے جب دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو کہا کہ کون میرا ساتھ دے گا تا کہ میں اس دریائی گڑھے کو تمہارے دشمن سے محفوظ رکھوں؟ اس پکار پر ساٹھ جنگ جوؤں نے لبیک کہا، عاصم نے انہیں نر اور مادہ گھوڑوں پر دو حصوں میں تقسیم کیا، تا کہ گھوڑوں کی تیراکی میں سہولت ہو سکے۔ پھر یہ ساٹھ جنگ جو دجلہ میں کود پڑے اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم کو دریائی گڑھے پر قابض دیکھا تو بقیہ فوج کو دریا میں اترنے کی اجازت دی اور تاکید کی کہ تم کہو کہ ہم اللہ سے مدد کے طلب گار ہیں، اور اس پر توکل کرنے والے ہیں اور اللہ ہمارے لیے کافی اور بہتر کارساز ہے، حالات کی بہتری اور قوت اسی اللہ کے ذریعے ممکن ہے جو بے انتہا بلند وعظمت کا مالک ہے۔ جب لشکر کا اکثر حصہ آپس میں مل گیا، اور وہ انتہائی جھاگ والے سیاہ موجزن دریا پر سوار ہو گئے، تو آپس میں تیراکی کے دوران ویسے ہی بات چیت کرنے لگے جیسے خشکی کے راستے میں باہمی گفتگو کیا کرتے تھے یہ غیر متوقع نظارہ دیکھ کر اہل فارس سکتے میں آ گئے، فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور تیزی سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے اپنا مال بٹورنے لگے۔ مسلمان مدائن میں ماہ صفر سنہ 6 ہجری میں داخل ہوئے اور شیر ودیہ اور اس کے بعد والے حکمرانوں کے جمع کردہ اور خسرو کے محلوں میں ذخیرہ کردہ تقریباً تین بلین مال پر قابض ہو گئے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے حسب ذیل شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ اگر اللہ کی قسم کھاتے تو اللہ ان کی لاج رکھ لیتا تھا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کتنے ہی پراگندہ بالوں والے اور سیدھے سادھے کپڑے پہننے والے کہ (ان کی معمولی لباس کو دیکھ کر) انہیں کوئی ٹھہرنے کے لیے جگہ بھی نہیں دیتا، اگر وہ اللہ کی قسم، کھالیں تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھ لیتا ہے اور ان کی دعا کو قبول فرمالیتا ہے، انہی لوگوں میں سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ (جامع ترمذی، مناقب الصحابۃ: 3854)

سیدہ عدیسہ بنت وہبان بن صیفی کو ان کے والد کی وصیت

سیدہ عدیسہ بنت وہبان بن صیفی کے والد کی وفات کا وقت آ گیا، تو انہوں نے وصیت کی کہ مجھے دو چادروں میں کفن دو۔ عدیسہ نے بیان کیا کہ انہیں دو چادروں اور قمیص میں کفن دیا گیا، جب ہم تدفین کے دوسرے دن صبح کیے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جس قمیص میں انہیں کفنایا گیا تھا وہ چارپائی پر تھی۔ ان کے والد کی وصیت کے خلاف کفن میں ایک قمیص کا اضافہ کر دیا گیا تھا تو وہ قمیص اللہ نے فرشتہ کے ذریعے ان کے گھر لوٹادی۔ (الاصابہ: 1/91)



دلوں کی پاکیزگی اور نگہداشت

حافظ محمد عمر فاروقی

دل کی سلامتی، پاکیزگی، صفائی اور خلوص ایک ربانی مقصد اور شرعی تقاضا ہے۔ جب بندے کا دل صاف اور پاک ہوتا ہے تو وہ بہترین انسانوں میں شمار ہوتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا انسان افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ہر صاف دل اور سچی زبان والا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم سچی زبان والے کو تو پہچانتے ہیں، صاف دل سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ ، لَا إِثْمَ فِيهِ ، وَلَا بَغْيَ ، وَلَا غِلَّ ، وَلَا حَسَدَ»

”ایسا دل (جو اللہ سے) ڈرنے والا اور صاف ہو، اس میں گناہ، بغاوت، خیانت اور حسد نہ ہو۔“ (سلسلہ صحیحہ: 2539)

اسلام نے انسان کی کسی چیز پر اتنا زور نہیں دیا جتنا اس کے دل پر دیا ہے۔ یہ دل ایمان کا گھر ہے، سچائی اور اخلاص کا مقام ہے، اور دل و زبان ہی انسان کے سب سے اہم اعضا ہیں۔ ایمان کی کیفیات جیسے خوف، امید، توکل اور محبت کا مرکز بھی یہی دل ہے۔

اعمال کی قبولیت اور ان کی فضیلت دل کی سچائی، اخلاص اور ایمان پر منحصر ہے۔ جب دل ان اوصاف سے خالی ہوتا ہے تو عمل بے فائدہ ہو جاتا ہے، عبادت قبول نہیں ہوتی اور بندے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

اسی لیے دل انسان کا سب سے اہم عضو ہے۔ جب یہ صحیح ہوتا ہے تو پورا جسم صحیح رہتا ہے، اور جب یہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

”جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا جسم درست ہوتا ہے، اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہوتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے۔“ (صحیح بخاری: 52)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

القلب مَلِكٌ والأعضاء جنوده، فإذا طاب الملك طابت جنوده، وإذا خبث الملك خبثت جنوده

”دل بادشاہ ہے اور اعضا اس کے سپاہی ہیں، جب بادشاہ ٹھیک ہوتا ہے تو سپاہی بھی ٹھیک ہوتے ہیں، اور جب بادشاہ خراب ہوتا ہے تو سپاہی بھی خراب ہو جاتے ہیں۔“ (مصنف عبد الرزاق: 11/221)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"القلب هو الأصل، فإذا كان فيه معرفة وإرادة، سرى ذلك إلى البدن بالضرورة، لا يمكن أن يتخلف البدن عما يريده القلب."

”دل ہی اصل بنیاد ہے۔ جب دل میں علم اور ارادہ ہوتا ہے تو اس کا اثر لازمی طور پر جسم پر بھی پڑتا ہے۔ جسم دل کی خواہش کے خلاف نہیں چل سکتا۔“

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»

”جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا جسم درست ہوتا ہے، اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو پورا جسم خراب ہوتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے۔“ (صحیح بخاری: 52)

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الأصل في التقوى والفجور هو القلب، فإذا بر القلب واتقى، برت الجوارح، وإذا فجر القلب فجرت الجوارح

”تقویٰ اور فجور کی اصل دل ہے۔ جب دل متقی ہوتا ہے تو اعضا بھی متقی بن جاتے ہیں، اور جب دل میں فجور ہوتا ہے تو اعضا بھی فجور پر چلتے ہیں۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

التَّقْوَى هاهُنا. ويُشِيرُ إلى صَدْرِهِ

”تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔“ (جامع العلوم والحکم؛ صحیح مسلم: 2564)

دل اللہ کا مرکزِ نظر ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»

”اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 6543)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ﴾

’اللہ کو قربانی کے جانوروں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اسے تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“ (سورة الحج:37)

قیامت کے دن جنت میں وہی داخل ہو گا جس کا دل اللہ کے لیے خالص اور پاکیزہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ 0 هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ 0 مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ﴾

”یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔ جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔“ (سورة ق:31-33)۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ 0 يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ 0 إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾

”مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جب سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے، جس دن نہ مال فائدہ دے گا، نہ بیٹے، مگر وہی کامیاب ہو گا جو اللہ کے پاس پاکیزہ دل لے کر آئے گا۔“ (سورة الشعراء:87-89)

سلیم دل وہ ہے جو ہر طرح کے شرک، شکوک اور شبہات سے پاک ہو۔

اسی لیے شیطان دل کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ دل کو مفید چیزوں سے خالی اور نقصان دہ چیزوں سے بھر دے۔ اس لیے دل کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اسے شیطان کے وسوسوں سے بچانا بھی ضروری ہے۔

دلوں کی کیفیت اور تقلب

دل کی حالت بہت تیزی سے بدلتی ہے، جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« لَقَلْبُ ابْنِ آدَمَ أَشَدُّ انْقِلَابًا مِنَ الْقِدْرِ إِذَا اجْتَمَعَتْ غَلْيًا »

”ابن آدم کا دل اس قدر تیزی سے بدلتا ہے جیسے کہ کھولتا ہوا پانی۔“ (مسند احمد:23816)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ»

”تمام بنی آدم کے دل اللہ کے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، اللہ جیسے چاہے ان کو پھیرتا ہے۔“

اسی لیے نبی کریم ﷺ کثرت سے دعا فرماتے تھے:

«اللَّهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ»

”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔“ (صحیح مسلم:2654)

دل کی نگرانی اور محاسبہ

ہر مومن پر لازم ہے کہ اپنے دل کی نگرانی کرے اور یہ دیکھے کہ اس نے اپنے رب سے ملاقات کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ 0 وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کر رہے ہو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اس نے انھیں ان کی جانیں بھلوا دیں، یہی لوگ نافرمان ہیں۔“ (سورة الحشر:18-19)

نگرانی دل کی پاکیزگی کے لیے ضروری ہے اور یہ مسلسل محاسبے کے بغیر ممکن نہیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"حاسبوا أنفسكم قبل أن تحاسبوا، وزنوا أعمالكم قبل أن توزن عليكم، وتزينوا للعرض الأكبر ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ﴾، وإنما يخف الحساب يوم القيامة على من حاسب نفسه في الدنيا".

”اپنے نفس کا محاسبہ کرو، قبل اس کے کہ تمہارا حساب کیا جائے اور اپنے اعمال کا وزن کرو، قبل اس کے کہ وہ تم پر وزن کیے جائیں اور اُس عظیم پیشی کے دن کے لیے خود کو تیار کرو۔”جس دن تم سب اللہ کے حضور پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔“ قیامت کے دن حساب اسی کے لیے آسان ہو گا جس نے دنیا میں اپنے اعمال کا محاسبہ کیا۔“ (ابن ابی الدنیا فی محاسبۃ النفس:ص22)

اے اللہ! ہمیں پرہیزگار، پاکیزہ دل، صاف نیتیں اور پاکیزہ نفوس عطا فرما۔ ہمیں اپنے ان خاص بندوں میں شامل فرما جو تیرے سب سے قریب ہوں، اور ہمیں اس دن کی رسوائی سے بچا جب سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، سوائے اس کے جو تیرے سامنے پاک دل کے ساتھ حاضر ہو گا۔ آمین

☆☆☆



رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آپ کی تعلیمات انسانی سماج کے تمام طبقات کے لئے عام ہیں جو چاہے ان تعلیمات سے استفادہ کرلے اور اپنے آپ کو کامیاب بنائے، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر چلنے والا ہر طبقہ و سماج ترقی پذیر رہے گا، چاہے وہ ایمان لے آئیں یا نہ لائیں، ایمان کا قبول کرنا یا نہ کرنا آزادی فکر کا تقاضا کرتا ہے۔ اسلام نے کسی پر کوئی جبروزبردستی نہیں کی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہی اتنی پُر اثر ہیں کہ اللہ کی توفیق ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے، اگر توفیق الٰہی نہ ہو تو وہ مخالف اسلام تو نہ رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک صالح سماج کی تشکیل دی ہے جس کے لئے 23 سال تک عملی جدوجہد کی اور ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیا ہے جسے " مسلم سماج" اور "امت مسلمہ" کہا جاتا ہے اور اس کے متوالے "مسلمان" کہلاتے ہیں جس کا معنی "اللہ اور اس کے رسول کے مطیع و فرمانبردار" کے ہیں۔

مسلمان گزشتہ ساڑھے چودہ سو سال سے ثلث عالم پر کامیاب حکمرانی کرتے آئے ہیں۔ شرق و غرب کا کوئی بھی بر اعظم ان کی حکمرانی سے خالی نہ رہا جو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کی جانے والی اخلاقی، معاشرتی تمدنی اور ثقافتی تربیت کا نتیجہ رہا، جب تک سلاطین اسلامیہ اپنے رسول کے بنائے ہوئے اصول و ضوابط پر روبہ عمل رہے، کامیاب و کامران رہے، اس وقت بھی وہ اقلیت ہی میں تھے، اور جب انہوں نے نظام مصطفوی کو ترک کیا اور اسلامی تعلیمات کو فراموش کر دیا، اسوہ صحابہ سے اپنے دامن کو دور کر لیا تو اللہ نے انہیں داستان عبرت بنادیا اور یہ سنت الٰہی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں کیا گیا ہے کہ:

﴿فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾

"پھر ان کے بعد ایسے اطاعت نہ کرنے والے پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سوان کا نقصان ان کے آگے آئے گا۔" (سورہ مریم: 59)

اسی لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام امور و معاملات جیسے سیاست، معیشت، معاشرت، تجارت تعلیم و تربیت، عدل و انصاف و مساوات کو نظام مصطفیٰ ہی سے وابستہ رکھیں، اس میں فلاح و کامیابی اور آخرت کی نجات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کی بہترین تعلیم و تربیت کے ذریعہ انہیں ایک مثالی امت بنایا، چند تعلیمات کا تذکرہ ضروری ہے۔

1۔ مسلمان کے باہمی حقوق:

مسلمان کی فلاح و کامرانی اسی میں ہے کہ وہ باہمی حقوق کی پاسداری کریں جب تک باہمی حقوق ادا نہیں کئے جائیں گے آپس میں افتراق و انتشار اور کدورتیں برقرار رہیں گی اور وہ سماج ترقی پذیر نہیں ہو سکتا، اسلام سے قبل جاہلی سماج میں باہمی حقوق کا استحصال کیا جاتا رہا، اور اسی سماج سے اسلام مخاطب ہوا، جو بھی نور اسلام سے منور ہوئے وہ یہی تھے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں حقوق کی اہمیت سمجھائی اور ملت اسلامیہ کو اس بات کی تعلیم دی کہ

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ : إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَاعَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ ، وَإِذَا مَاتَ فَأَتْبَعْهُ »

"ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر 6 قسم کے حقوق ہیں: جب تو اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے، جب وہ دعوت پر مدعو کرے تو دعوت قبول کرے، جب وہ کوئی نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کرے، جب وہ چھینک مار کر (الحمدللہ) کہے تو تو اسے (یرحمک اللہ) کہہ کر جواب دے، جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے

اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ شریک ہو۔" (صحیح مسلم:5651)

ان حقوق کی پاسداری کا لحاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے ہی جذبات و احساسات کے ساتھ رکھا کرتے تھے ایک وقت کی بات ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کو کھانے پر مدعو کیا گیا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے دعوت قبول کی اور دستر خوان تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے اور میزبان سے فرمایا:

"تم نے مجھے دعوت دی اور میں نے اس دعوت کو قبول کیا حالانکہ میں حالت روزہ میں ہوں لیکن میں اسی لئے حاضر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

« حَقُّ المُسلِمِ عَلَى المُسْلِمِ مِن خِصَالٍ وَاجِبَةٍ ، فَمَنْ تَرَكَ خَصْلَةً مِّنْهَا فَقَدْ تَرَكَ

حقاً وَاجِبَةً لا خِيْهِ عَلَيْهِ »

”ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے کے 6 حقوق ہیں جس کا ادا کرنا واجب ولازم ہے جس نے بھی ان چھ حقوق میں سے کسی بھی ایک حق کو تلف کیا تو اس نے واجب ولازم حق کو چھوڑ دیا جو اس کے بھائی کا تھا۔“ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ: 5/513؛ صحیح الترغیب:2157)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس پیغام کے ذریعہ ملت اسلامیہ کو متحد کیا، ایک دوسرے کی اہمیت بتائی، ان کے دلوں میں محبت پیدا کیا، سینوں میں پائی جانے والی کدورتوں کو ختم کیا، باہمی عداوتوں کا قلع قمع کیا۔ ان ہی تعلیمات کے ذریعہ ملت باہمی شیر و شکر ہوئی۔ لیکن موجودہ مسلم سماج نے ان تعلیمات کو فراموش کر دیا۔ محبت کی جگہ نفرت نے لے لی، باہمی شیر وشکر کی جگہ زہر ہلاہل نے لے لی، جس کے سبب ملت اسلامیہ کے انفرادی و اجتماعی حالات دھماکہ خیز ہوتے جارہے ہیں۔

2۔ مسلمان کا باہمی وقار

جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا، وہ ایک ایسا معاشرہ چھوڑ کر آئے تھے، جہاں سماجی وتہذیبی منکرات کے سوا کچھ نہ تھا، باہمی نفرتوں کو چھوڑ کر وہ ایک ایسی تہذیب وتمدنی تعلیم کی طرف آئے تھے، جو اللہ بزرگ وبرتر کی جانب سے تھی اور اس تعلیم کی اشاعت صادق امین، معلم انسانیت محمد ﷺ کر رہے تھے، اسی لیے آپ ﷺ انہیں باہمی اقدار کی تعلیم دی اور عزت مسلم کی اہمیت سے انہیں اجاگر کیا، انہیں بھائی چارگی کا پیغام ان الفاظ میں دیا:

« الْمُسْلِمُ أَخو المُسلِمِ لا يَخُوْنَهُ وَلَا يَكْذِبُهُ ، وَلَا يَخْذُلُهُ ، كُلّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ التَّقْوَى ههنا بِحَسْبِ اِمْرَى مِّنَ الشّرِّأَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمِ »

”ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس کے ساتھ خیانت نہ کرے، اس سے جھوٹ نہ بولے، اور اس کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے، ہر مسلمان کی عزت، دولت، اور خون دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے، تقوی یہاں (دل میں) ہے، ایک شخص کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر اور کمتر سمجھے۔“ (جامع ترمذی: 1927؛ صحیح مسلم:2564/6541)

اس پیغام کو ایک اور حدیث میں کچھ الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ

« لا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُ وَلَا يَحْقِرُهُ »

کسی مسلمان پر نہ ظلم کرے، نہ اسے ذلیل ورسوا کرے اور نہ اسے حقارت بھری نگاہوں سے دیکھے۔ (تخریج المسند:8130؛ صحیح مسلم:2564/6541)

ایک اور حدیث میں یہ پیغام ان الفاظ کے ساتھ دیا گیا ہے کہ

«﴿وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوْاوَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُوْنُوْا عَبَادَ اللهِ إِخْوَانَا »

”تم میں سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کی لگائی گئی قیمت پر قیمت نہ بڑھائے، تم میں سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر غصہ نہ ہو، تم میں سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے (منہ نہ موڑے) پیٹھ نہ دکھائے، تم میں سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے حسد نہ کرے، تم میں سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تجارت کی بولی پر بولی نہ لگائے، تم سارے کے سارے مسلمان بھائی بھائی بن جاؤ۔“ (صحیح الجامع 7242؛ مسند بزار:15-283)

یہی پیغام ایک لفظ کی زیادتی کے ساتھ یوں دیا گیا ہے:

«الْمُسْلِمُ أَخُوْا الْمُسْلِمُ لَا يَظْلِمَهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ أَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمَ القِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِما سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَة »

”ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے عیب چھپائے گا۔“ (صحیح بخاری :2442)

اسی طرح ایک اور روایت میں یہ الفاظ بیان کئے گئے ہیں:

« وَلَا تَقَاطَعُوا » ”تم میں سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے قطع تعلق نہ کرے۔“ (مجموع الفتاوی: 28-208)

اس حدیث کا یہی مفہوم ہے کہ مسلمان کا بائیکاٹ نہ کیا جائے، اس کو سماج سے الگ نہ کیا جائے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہی پیغام دیا تھا، کیا ہی حکیمانہ اور انقلابی خطبہ ہے لیکن امت مسلمہ نے اپنے نبی کے پیغام کو فراموش کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کو نظر انداز کر دیا، آپس کی بھائی چارگی کو ختم کر دیا، مسلکی تنافر میں مگن ہوگئے، ایک دوسرے کے مال واسباب میں خیانتیں عام ہوگئیں، جھوٹ زندگی کا حصہ بن چکا، ایک دوسرے کو مالداری وسرمائے داری، حسب ونسب، مقام و مرتبہ، قوت و طاقت، شان وشوکت کی بنیاد پر انسانی اقدار کو منقسم کر دیا گیا، کسی کو بھی حقارت بھری نگاہوں سے دیکھنا باعث

افتخار سمجھا جانے لگا، ایک دوسرے کو ذلیل ورسوا کر کے لوگ فخر محسوس کر رہے ہیں، آبروریزی، خونریزی، آپس میں ظلم وزیادتی، باہمی حسد اور غصے کا اظہار ایک دوسرے کی تجارت پر غصب عام عادت اور وطیرہ بن چکی۔ رسول اللہ ﷺ نے جس روشن و درخشاں تابندہ، مثالی معاشرہ کی تشکیل دی تھی، موجودہ دور کے مسلمان نے اس معاشرہ کو پاش پاش کر دیا اور اس کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔

3۔ مسلمان کو ہتھیار دکھانا

عزت مسلم کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت و تنبیہ سے لگایا جاسکتا کہ

كَانَ يَنْهَى أَنْ يُسَلّ الْمُسْلِمُ عَلَى الْمُسْلِمِ السِّلَاحَ

”رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع کر دیا تھا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر شمشیر بے نیام کرے۔“ (مجمع الزوئد:7۔294)

اسی طرح ایک حدیث مبارکہ میں ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَإِنّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتّى يَدَعَهُ وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لَا بَيْهِ وامه »

”جس نے اپنے بھائی کی طرف لوہے کے کسی ہتھیار سے اشارہ کیا تو اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کام کو ترک کر دے، چاہے وہ اس کے ماں باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔“ (صحیح مسلم:2616/ 6666)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا أَشَارَ الْمُسْلِم سلاحاً لَا تَزَالُ الْمَلَائِكَةُ تُلْعِنَهُ حَتّى (يُشِيْمَهُ) عَنْهُ »

”” جب کوئی مسلمان کسی مسلمان پر ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے (یعنی قتل کی دھمکی دیتا ہے) تو فرشتے مسلسل اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آجائے۔“ (ضعیف الجامع:547؛ ذخیرۃ الحفاظ:280-1)

یہی مضمون ایک اور حدیث مبارکہ میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

« إِذَا أَشَارَ الْمُسْلِمُ عَلَى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ بِالسّلَاحِ فَهُمَا عَلَى جُرُف جَهَنّمَ ، فَإِذَاقَتَلَهُ خَرّاجِمِيعاً فِيْهَا »(صحیح نسائی: 4127)

”جب ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی پر ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے تو وہ جہنم کے کھڈے کے قریب کھڑا رہتا ہے جب وہ اسے قتل کر دیتا ہے تو دونوں جہنم میں جھونک دئے جاتے ہیں۔“

ان تعلیمات واحکام اور تنبیہات کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کی جان اور اس کے خون کی اہمیت کو واضح کیا لیکن آج کیا ہو گیا، امت مسلمہ کو کہ وہ آپس میں خونریزی میں مگن ہیں۔ قتل وغارتگری کو ہمت و حوصلہ اور بہادری سمجھنے لگے ہیں۔ معمولی باتوں پر ہتھیار کا استعمال عام بات بن چکی، آپسی قتل و غارت گری کے ذریعہ نسلوں کا اور قبیلوں کو تباہ کیا جا رہا ہے، آئینہ تصویر ایام ہمارے سامنے ہیں، طاقت و دولت کے غرور، قوت وطاقت کی بالادستی، تجارت وصنعت کی مقابلہ آرائی، دنیا کی بڑھتی ہوئی بے راہ روی نے مسلم معاشرے میں کشت وخون کا ماحول بپا کر رکھا ہے، نہ بوڑھوں اور بزرگوں کا خیال رہا، نہ والدین اور رشتے داروں کی عظمتوں کا لحاظ رہا، نہ خواتین و معصوم بچوں کا احترام رہا۔ کیا اس صورت حال کے ساتھ ہم کامیاب رہیں گے؟

4۔ مثالی مسلمان کی پہچان

ماحول کے بگاڑ اور آپسی انتشار میں سب سے بڑا عمل دخل زبان اور ہاتھوں کا ہوتا ہے، زبان سے گالی گلوچ، بحث ومباحثہ، طعنہ و تشنیع کا آغاز ہوتا ہے اور نوبت جنگ وجدال، ہاتھاپائی تک پہنچ جاتی ہے اور اس لڑائی میں ہاتھ، پیر شامل ہو جاتے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے ہر انسان میں فطرتا یہی عادت ہوتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے سماج کو پاک کیا کیونکہ ایک معیاری سماج کے لئے یہ معیوب بات ہے، ان عادات واطور سے شخصیتیں متاثر ہو جاتی ہیں اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

«الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ »

”مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔“ (صحیح بخاری: 10)

اسی طرح ایک اور سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« يَارَسُوْلَ اللهِ ! أَيُّ الإِسْلَامِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ : مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ »

”کون سا اسلام (یعنی اسلام کی وہ کونسی تعلیم) افضل ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”وہ جس کے ماننے والے مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں رہیں۔“ (صحیح بخاری: 11)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَاس»”مؤمن وہ ہے جن سے انسانیت امن وامان میں رہے۔“ (مسند احمد:12562)

اسی طرح کی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقَ وَقِتَالُهُ كُفر »

”مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔“ (صحیح بخاری :6044)

اس ضمن میں تاریخ اسلام کا ایک عظیم واقعہ ذکر کرنا

مناسب ہو گا تا کہ مسلمان کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے ایک مرتبہ ایک صحابی رسول نے ایک صحابی کے ساتھ زبانی لغزش کر دی اور انہیں ان کی ماں کے حوالے سے طعنہ دیا کہ ”تو کالی عورت کا بیٹا ہے“ اس پر وہ مسکین صحابی کبیدہ خاطر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی رسول کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ «إِنَّكَ امْرَؤٌ فِيْكَ الجَاهِلِيَّة »

” ابھی تک تمہارے اندر جاہلیت کی عادتیں موجود ہیں۔“ (صحیح بخاری: 30،6050؛ صحیح مسلم: 1661)

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ہے کہ حج کے ایام میں شاہ غسان نے کسی مسلمان کو طعنہ دیتے ہوئے پیر سے مار دیا جس کو ہم کہتے ہیں کہ ” لات مار دیا “ وہ شکایت لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شاہ غسان کی سرزنش کی اور معافی چاہنے پر مجبور کیا، بالآخر اس نے معافی چاہی۔ (سیرۃ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب للصلابی)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کو دوسری تمام امتوں کے بالمقابل تہذیب و تمدن ، ثقافت و عادات و اطوار ، انتظام و انصرام ، عقائد و تعلیمات و عبادات میں مثالی نمونہ بنایا گیا ہے اسی لئے ہر اعتبار سے ان کی تربیت کی گئی ہے لیکن افسوس کہ آج گالی گلوچ کے بغیر ہماری زندگی نہیں ، ایک دوسرے کی ماں بہن سے متعلق گندی گالیاں معمولات زندگی بن چکی ہیں۔ موجودہ زمانے کے مسلمان اگر عزت و سرفرازی کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے نبی کی ان تعلیمات پر عمل کریں چونکہ مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اس کے بغیر ناممکن ہے۔

5۔ مسلمان کی عزت و آبرو

مسلمان کی عزت و آبرو کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اسی لئے احترام مسلم کا سبق سکھایا گیا اور عظمت مسلم کے لئے بڑی بڑی تعلیمات دی گئیں۔ صحابی رسول حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ حج کے لئے نکلا، لوگ آپ کے پاس آتے تھے جب کوئی کہتا:

« يَارَسُوْلَ اللهِ ، سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوفَ، أَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا أَوْ أَخَرْتُ شَيْئًا، فَكَانَ يَقُوْلُ : لَا حَرَجَ لَا حَرَج، إِلَّا عَلَى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ ، فَذَالِكَ الَّذِي حَرِجَ وَ هلك»

”اللہ کے رسول! میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی، میں نے ایک چیز کو مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا تو آپ ﷺ، کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، حرج صرف اس پر ہے کہ جس نے مسلمان کی جان یا عزت و آبرو پامال کیا اور وہ ظالم ہے، وہ ایسا ہی شخص ہے جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہوا۔“(سنن ابوداؤد: 2015)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ أُرَاهُ. قَالَ : بَعَثَ اللهُ مَلَكاً يَحْمِلْ لَحْمَهُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمَى مُسْلِمَا بِشَيْئٍ يُرِيدُ شَيْئًا بِهِ حَبَسَهُ اللهُ عَلَى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتَّى يَخْرُجُ مِمَّا قَالَ »

” جو کسی مؤمن کی عزت و آبرو کی کسی منافق سے حفاظت کرے گا تو اللہ ایک فرشتہ بھیجے گا جو قیامت کے دن اس کے گوشت کو جہنم کی آگ سے بچائے گا اور جو شخص کسی مسلمان پر تہمت لگائے گا اس سے اس کا مقصد اسے مطعون کرنا ہو تو اللہ اسے جہنم کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ جو اس نے کچھ کہا ہے، اس سے نکل جائے۔“ (سنن ابوداؤد: 4883)

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ أَمْرِي يَحلل امْرَأَمُسْلِم فِي مَوْضع تنتهك فِيْهِ حُرْمَتَهُ وَيُنتَقُصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ الْأَخَذَلَهُ اللهُ فِي مَوْطِن يُحِبُّ فِي نُصْرَتَهُ. وَمَا مِنْ اِمْرِى يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِى مَوْضِع يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهِ وَيُنتَهَكَ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهِ الْأَنصَرَهُ اللهُ فِي مَوْطِنِ يُحِبُّ نُصْرَتَهُ »

” جو کسی مسلمان کو کسی ایسی جگہ میں ذلیل کرے گا، جہاں اس کی بے عزتی کی جائے اس کی عزت میں کمی آئے تو اللہ اسے ایسی جگہ ذلیل کرے گا، جہاں وہ اس کی مدد چاہے گا، اور جو کسی مسلمان کی ایک جگہ میں مدد کرے گا جہاں اس کی عزت میں کمی آرہی ہو اور جہاں اس کی آبرو جا رہی ہو تو اللہ اس کی ایسی جگہ پر مدد کرے گا، جہاں پر اس کو اللہ کی مدد محبوب ہو گی۔“ (سنن ابوداود: 4884)

جب تک مسلمان باہمی ایک دوسرے کی عزت و وقار کا پاس و لحاظ نہیں رکھے گا، معاشرہ ترقی نہیں کر پائے گا، اس بات کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، مشکل تو یہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے باہمی رشتے ناتوں کی اہمیت کو جانا اور پہچانا ہی نہیں۔ ہمارے علماء، زعماء، مشائخین ، فضلاء، خطباء و مقررین ، قائدین، مفکرین و مدبرین کو چاہئے کہ بہت سی فرقہ وارنہ اور مسلکی تنافر و عقائد کے اختلافات و مخالفتوں کی باتیں چیخ چیخ کر بیان کرنے سے بہتر ہے کہ ملت اسلامیہ کو اخوت اسلامی کا پیغام دیں، سیرت النبی ﷺ کے اجتماعات کے ذریعہ قوم کا شعور بیدار کریں اسی طرح ضروری ہے کہ جمعہ کے خطبات میں اس طرح کے عناوین پر بیانات ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی اخوت کو پسند فرمایا ہے اور اس کو اہمیت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین



نماز میں قرأت سے متعلق

حدیث نمبر:99

عَنْ جابر رضي الله عَنْه : أَنّ النّبِيّ ﷺ قَالَ لِمُعَاذٍ :

«فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِـ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾، ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾، ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى﴾؟

فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ، وَالضَّعِيفُ، وَذُو الْحَاجَةِ».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طوّل، برقم 705، ومسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء، برقم: 1041/1040)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

آپ نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى والشَّمْسِ وَضُحَاها، وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کیوں نہیں پڑھتے کیونکہ آپ کے پیچھے بڑی عمر کے بوڑھے، کمزور اور ضرورت مند نماز پڑھتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - فَلَوْلَا: کیوں نہیں۔

2 - وَرَاءَكَ: آپ کے پیچھے۔یعنی آپ کی اقتداء میں۔

3 - الْكَبِيرُ: بڑا۔بڑی عمر کے۔

4 - الضَّعِيفُ: کمزور۔

5 - ذُو الْحَاجَةِ: ضرورت مند۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

نوٹ: یہاں یہ حدیث مبارکہ مختصر بیان ہوئی ہے تفصیل کے لیے صحیح بخاری حدیث نمبر 705 اور صحیح مسلم حدیث نمبر 1040 اور 1041 دیکھیں۔

1۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک باجماعت نماز اہم ترین اعمال میں سے تھا، اسی لیے جس شخص نے اپنے عذر کی بنا پر باجماعت نماز کو چھوڑ کر اپنی انفرادی نماز پڑھی، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کو منافق کہا اور جو شخص باجماعت نماز میں شریک ہوا باوجود اس کے کہ اپنے کام کاج کی وجہ سے تھکا ہوا بھی تھا اور اس کو اور اس کے اونٹوں کو بھوک بھی لگی تھی مگر اس سب کے باوجود وہ باجماعت نماز میں شریک ہوا۔

2۔امام اور مقتدی کی نیت میں فرق ہو سکتا ہے جیسا کہ عشاء کی نماز پڑھانے والے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنی عشاء کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں پڑھ کر وہی عشاء کی نماز اپنی قوم کو پڑھا رہے تھے۔ اسی طرح نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنا اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنا درست ہے۔اسی طرح جو امام عصر پڑھا رہا ہو اس کے پیچھے ظہر پڑھنا درست ہے اور یہی حکم باقی نمازوں کا ہے۔

3۔اگر کوئی کسی کو کسی معقول وجہ کی بنا پر کافر یا منافق وغیرہ کہہ دے تو ضروری نہیں کہ وہ یا کہنے والا کافر و منافق ہو جائے۔ جیسا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو منافق کہا اور دونوں میں سے کوئی بھی منافق نہیں ہوا۔

4۔کسی معقول عذر کی وجہ سے باجماعت نماز چھوڑ کر اپنی انفرادی نماز پڑھنا بعض اہل علم (جن میں امام بخاری اور امام نسائی بھی ہیں) کے نزدیک جائز ہے۔

5۔نیکی کے کام میں بھی کسی معقول وجہ سے کسی کی بڑے امام / نگران وغیرہ کو شکایت لگانا جائز ہے اور یہ غیبت کے زمرے میں نہیں آئے گی۔

6۔فیصلہ کرنے کے لیے دونوں طرف سے بات کو سننا ضروری ہے۔

7۔نماز پڑھاتے ہوئے امام کو اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

8۔باجماعت نماز زیادہ لمبی نہیں پڑھانی چاہیے لوگوں کو اور ان کے حالات کو مدنظر رکھ کر نماز پڑھانی چاہیے۔

9۔امام کو لوگوں سے نرمی، شفقت اور محبت سے پیش آنا چاہیے۔

10۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے ہوئے بھی نہایت نرمی اور شفقت کا انداز اپنایا کرتے تھے۔

11۔حدیث مبارکہ جو سورتیں بتائی گئی ہیں ضروری نہیں ہے کہ یہی پڑھی جائیں۔ بلکہ اس سے مراد لمبی قرآت نہ کرنا ہے اور مختصر قرات مختلف لوگوں اور ان کے حالات کے پیش نظر مختلف ہو گی۔اصل بات یہ ہے امام لوگوں کی رعایت رکھے گا مگر اعتدال کو نہیں چھوڑے گا کیونکہ نماز میں اعتدال و اطمینان نماز کا رکن ہے۔

حدیث نمبر:100

عَنْ أَنسِ بنِ مالك رضي الله عَنْه، «أَنّ النّبِيّ ﷺ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ رضي الله عَنْه : كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصّلاةَ بِـ(الْحَمْدُ

لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ». وَفِي رِوَايَةٍ : «صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)». 109 ـــ ولمسلِمٍ : «صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ رضي الله عَنْه ، وَعُمَرَ رضي الله عَنْه ، وَعُثْمَانَ رضي الله عَنْه ، فَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الصلاة بِـ(الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)، لا يَذْكُرُونَ (ههه) فِي أَوَّلِ قِرَاءَةٍ، وَلا فِي آخِرِهَا».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول بعد التكبير، برقم 743، ومسلم، برقم 399)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سیدنا ابو بکر ؓ اور سیدنا عمر ؓ نماز کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کیا کرتے تھے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ

میں نے سیدنا ابو بکر صدیق ؓ، سیدنا عمر فاروق ؓ اور سیدنا عثمان غنی ؓ کے ساتھ نماز پڑھی میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے میں نے نبی کریم ﷺ، سیدنا ابو بکر ؓ، سیدنا عمر ؓ اور سیدنا عثمان غنی ؓ کے پیچھے نماز پڑھی وہ نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین سے کیا کرتے تھے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ذکر نہیں کرتے تھے قرآت کے شروع میں اور نہ ہی آخر میں۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - يَفْتَتِحُونَ :وہ آغاز کرتے، شروع کرتے۔

2 - صَلَّيْتُ :میں نے نماز پڑھی۔

3 - خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ :نبی کریم ﷺ کے پیچھے یعنی اقتداء میں۔

4 - يَسْتَفْتِحُوْنَ الصَّلَاةَ : نماز کی ابتداء کیا کرتے۔

5 - لَا يَذْكُرُوْنَ:ذکر نہیں کرتے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ اس حدیث مبارکہ سے امام مالک رحمہ اللہ سمیت بعض اہل علم نے نماز کے شروع کرنے سے پہلے دعاء استفتاح، تعوذ اور بسم اللہ، نہ پڑھنے کا استدلال کیا ہے جو کہ درست نہیں کیونکہ یہ تینوں عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

2۔ بعض اہل علم نے اس حدیث مبارکہ سے سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھنے کا استدلال کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ الدار قطنی اور سنن البیہقی وغیرہ میں صحیح حدیث میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا حکم رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور اس حدیث میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس میں یہ ذکر ہے نماز میں قرات صرف سورۃ فاتحہ سے شروع ہوگی کسی دوسری سورۃ سے نہیں اور سورۃ فاتحہ کے ناموں میں سے ایک نام سورہ الحمد للہ رب العالمین ہے۔

3۔ جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہری یعنی بلند آواز اور سری یعنی آہستہ آواز میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

جن احادیث میں نفی ہے اس سے مراد بلند آواز سے نہ پڑھنا ہے۔ یا انہوں نے سنی نہیں اس لیے انہوں نے ایسے ہی ذکر کر دیا اور جنہوں نے سنی انہوں نے اس کا ذکر ہے۔

البتہ سری پڑھنے کے دلائل زیادہ ہیں اس لیے سری پڑھنا افضل لیکن اس کو چھوڑنا درست نہیں ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا حکم رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

4۔ صحیح حدیث کے مطابق نماز کی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعاء استفتاح، تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا اور باقی رکعات میں سورۃ فاتحہ سے پہلے صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا مشروع ہے۔

5۔ راجح قول کے مطابق بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیت ہے۔ اس کو چھوڑنا درست نہیں البتہ جہری نمازوں میں جہری اور سری دونوں طرح پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔

☆☆☆

استغفار کی عظیم برکت

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إذا رأيت نفسك مُتحيّرًا فالزم الاستغفار، فإن الاستغفار مما يفتح الله به على العَبْد

"جب آپ اپنے نفس کو حیران پائے (کسی معاملے میں)، تو استغفار کو لازم پکڑیں، کیونکہ استغفار ان چیزوں میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ بندے پر دروازے کھول دیتے ہے۔

(شرح الکافیۃ الشافیۃ:3/189)

☆☆☆

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جب بھی کوئی مسئلہ مجھے سمجھ نا آتا تو میں ایک ہزار مرتبہ (غالباً) استغفار کرتا اور اللہ تعالیٰ وہ مسئلہ مجھے سمجھا دیتا، اسی طرح کی بات شیخ حافظ گوندلوی رحمہ اللہ کے بارے میں بھی موجود ہے اور یہ تینوں بزرگ ہی علم کی معراج پر تھے۔ طلبہ اسے ضرور اپنائے۔

☆☆☆



تزکیۂ نفس

مُردوں کی خواہشات

محمد زبیر کلیم (داعی و مدرس، جالیات عنیزہ، سعودی عرب)

بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں، اس سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اس کی طرف توبہ کرتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

حمد و ثناء کے بعد:

میں آپ سب کو اور اپنے آپ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ نیک لوگوں کا شعار ہے، خوف زدہ لوگوں کے لیے امن ہے، کامیابی کا ذریعہ ہے اور فلاح کا دروازہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿أْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

”گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پا سکو۔“ (سورۃ البقرۃ: 189)

اللہ کے بندو: ہر انسان کے لیے اس دنیا میں کچھ خواہشات ہوتی ہیں، جن کو وہ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کچھ اہداف ہوتے ہیں، جن کے حصول میں محنت کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جن کی اس دنیا میں زندگی ختم ہو چکی ہے، انہوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور آخرت کو دیکھ لیا۔ وہ دنیا میں لوگوں کے درمیان تھے، اب وہ زمین کے نیچے ہیں۔ آؤ، ہم مُردوں کی خواہشات کو جانیں!

اے مسلمانوں: مُردوں کی سب سے بڑی خواہش (یہ ہے کہ دنیا میں واپس آ جائیں)۔ نیک لوگ مزید نیکیوں کی آرزو رکھتے ہیں اور کوتاہی کرنے والے گناہوں سے توبہ کرنے کی آرزو کرتے ہیں، مگر افسوس در افسوس! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ﴾

”اور توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں جو برے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔“ (سورۃ النساء: 18)

ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں نے اپنے آپ کو جہنم میں تصور کیا، زقوم کا پھل کھا رہا ہوں اور پیپ پی رہا ہوں۔“، تو میں نے اپنے نفس سے کہا:

”اے نفس، کیا چیز چاہتی ہے؟“ تو اس نے کہا:

”دنیا میں لوٹ کر ایسا عمل کرنا جس سے میں اِس عذاب سے بچ سکوں!“

میں نے کہا: ”تو تم دنیا میں ہو اور تمہاری یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے، پس عمل کرو!۔“ (محاسبۃ النفس، ابن أبي الدنیا: 26؛ الزهد، الإمام أحمد: 2106؛ الزهد الكبير، البيهقي: 392)

نیک لوگوں کی خواہشات میں سے ایک یہ بھی ہے:

”جب ان کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور وہ اپنے جنتی مقام کو دیکھتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ اپنی قوم اور اہل خانہ کو اس کے بارے میں بتائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک نیک شخص کے بارے میں فرمایا:

﴿قِيلَ ادْخُلِ الجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ * بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وجَعَلَنِي مِنَ المُكْرَمِينَ﴾

”کہا گیا: جنت میں داخل ہو جا۔ تو اس نے کہا: کاش! میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا اور مجھے عزت والوں میں سے بنا دیا۔“ (سورۃ یٰسین: 26-27)

مفسرین کہتے ہیں:

”اس شخص نے اپنی قوم کو زندہ اور مردہ نصیحت کی اور یہ چاہا کہ اس کی قوم اس کے انجام کو جان لے، تاکہ وہ بھی اس کے ایمان کی طرح ایمان لائیں اور اس کے حال کی طرح ہو جائیں۔“ (تفسیر الطبری: 20/509؛ تفسیر قرطبی: 15/20؛ نظم الدرر، البقاعی: 16/114؛ فتح القدیر الشوکانی: 4/420)

حدیث میں آیا ہے:

”جب مؤمن کو اس کی قبر میں جگہ دی جاتی ہے اور وہ اپنی جنت میں مقام کو دیکھتا ہے، تو وہ کہتا ہے:

دَعُونِي حَتَّى أَذْهَبَ فَأُبَشِّرَ أَهْلِي!

”مجھے جانے دو تاکہ میں اپنے اہل کو خوشخبری دوں۔“ (سنن ابوداؤد: 4751)

شہداء کی خواہشات میں سے ایک یہ ہے:

شہید یہ چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں واپس لایا جائے اور بار بار قتل کیا جائے، کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت کو دیکھتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، وَلَهُ مَا عَلَى الأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ، يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا،

فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ؛ لِمَا يَرَى مِنَ الكَرَامَةِ!"
”کوئی بھی جنت میں داخل ہو کر دنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرے گا، چاہے زمین کی ہر چیز اس کے لیے ہو، مگر شہید یہ چاہے گا کہ دنیا میں واپس آئے اور دس مرتبہ قتل ہو، اِس اکرام کی وجہ سے (جو وہ شہادت کے وقت) دیکھتا ہے۔“ (صحیح بخاری: 2817)

مردوں کی خواہشات میں سے ایک یہ بھی ہے:
کہ زیادہ سے زیادہ نمازیں پڑھیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے اور فرمایا:
"مَن صاحبُ هذا القبر؟"
”یہ قبر کس کی ہے؟“
فقالوا: "فلانٌ"، لوگوں نے کہا: (فلاں کی)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"ركعتانِ أحبُّ إلى هذا من بقيةِ دُنياكم!"
”اس شخص کے لیے دنیا کی باقی چیزوں سے دو رکعت نماز زیادہ محبوب ہیں۔“ (رواہ الطبرانی فی الأوسط: 920؛ صحّحہ الألبانی فی صحیح الترغیب: 391)

اور مردوں کی سب سے بڑی خواہشات میں سے ایک یہ بھی ہے:
بدکاروں کی سب سے بڑی آرزو، جب وہ اس دنیا کو الوداع کہہ رہے ہوتے ہیں، توبہ کر کے واحد قہار کی طرف لوٹنے کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ﴾
”اور ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔“ (سورہ سبأ: 54)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
طَلَبُوا الرَّجْعَةَ إلى الدُّنْيَا، والتَّوْبَةَ مِمَّا هُمْ فِيهِ ”انہوں نے دنیا میں لوٹنے کی خواہش کی اور اس گناہ سے توبہ کی بھی جس میں وہ مبتلا ت۔“ (تفسیر ابن کثیر: 6/528)

جب کافر اپنے انجام کو موت کے وقت جان لیتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حالت باطل پر ہے، تو وہ یہ آرزو کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے ہوتا اور اپنے رب العالمین کی اطاعت کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ * لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ﴾
”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس میں نیک عمل کر سکوں جو میں نے چھوڑا ہے۔“ (سورۃ المؤمنون: 99-100)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
مَا تَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ لِيَجْمَعَ الدُّنْيَا ويَقْضِيَ الشَّهَوَاتِ، ولَكِنْ تَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ فَيَعْمَلَ بِطَاعَةِ اللهِ؛ فَرَحِمَ اللهُ امْرَءًا عَمِلَ فِيمَا يَتَمَنَّاهُ الكَافِرُ إِذَا رَأَى العَذَابَ
”اس نے یہ آرزو نہیں کی کہ دنیا میں واپس جا کر مال جمع کرے اور خواہشات پوری کرے، بلکہ اس نے یہ آرزو کی کہ دنیا میں واپس جا کر اللہ کی اطاعت کرے؛ پس اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو اس چیز میں عمل کرے جس کی آرزو، کافر عذاب دیکھ کر کرتا ہے۔“ (تفسیر البغوی: 5/428)

اور مُردوں کی خواہشات میں سے ایک یہ بھی ہے:
کہ وہ صدقات دیں کیونکہ اس میں عظیم ثواب ہے اور عذاب سے نجات ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾
”اور اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آ جائے، پھر وہ کہے: اے میرے رب! مجھے تھوڑی مدت تک مہلت دے، تو میں صدقہ کروں اور نیکوکاروں میں سے بن جاؤں۔“ (سورۃ المنافقون: 10)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
هُوَ الرَّجُلُ الْمُؤْمِنُ إِذَا نَزَلَ بِهِ الْمَوْتُ، ولَهُ مَالٌ لَمْ يُزَكِّهِ، ولَمْ يَحُجّ مِنْهُ، وَلَمْ يُعْطِ حَقّ اللهِ فِيهِ؛ فَيَسْأَلُ الرّجْعَةَ عِنْدَ الموْتِ؛ لِيَتَصَدّقَ مِنْ مَالِهِ ويُزَكِّيَ
”یہ ایک مؤمن شخص ہے جس کے پاس مال ہے، لیکن اس نے اس سے زکوٰۃ نہیں دی اور نہ اس سے حج کیا اور نہ ہی اس میں سے اللہ کا حق ادا کیا؛ پس وہ موت کے وقت واپس آنے کی آرزو کرے گا تاکہ اپنے مال سے صدقہ کر سکے اور زکوٰۃ دے۔“ (تفسیر الطبری: 22/672)

اور مُردوں کی خواہشات میں سے ایک یہ بھی ہے:
طاعات کو بڑھانا اور عبادات میں لذت پانا۔
جب سیدنا عامر بن عبد اللہ رحمہ اللہ کو موت آئی، تو وہ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا:
”آپ کیوں رو رہے ہیں؟“
تو انہوں نے کہا:
”میں موت کے خوف سے نہیں اور نہ دنیا کی خواہش میں رو رہا ہوں، بلکہ میں گرمی کے دنوں میں پیاسا رہنے اور سرد راتوں میں قیام کرنے پر رو رہا ہوں۔“ (الطبقات الکبری: 7/79)

میں یہ بات کہتا ہوں، اور میں اللہ سے اپنے اور آپ سب کے لیے ہر گناہ کی بخشش مانگتا ہوں؛ پس اسی سے بخشش طلب کریں، بے شک وہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس کے احسانات پر، اور شکر ہے اس کی توفیق اور کرم نوازی پر۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کے بندو! جلدی کرو اس مختصر زندگی سے فائدہ اٹھانے میں، جب تک تمہاری روحیں تمہارے جسموں میں ہیں، کیونکہ زندگی کی نعمت کا شعور اللہ کے ذکر، شکر اور اس کی عبادت کو بہتر بنانے کی طرف بلاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ عَنْ فِرَاشِهِ، فَلْيَقُلْ: الحَمْدُ لِلهِ الَّذِي عَافَانِي فِي جَسَدِي، وَرَدَّ عَلَيَّ رُوحِي، وأَذِنَ لِي بِذِكْرِهِ »

"جب تم میں سے کوئی اپنے بستر سے اٹھے، تو کہے: الحمدللہ، جس نے میرے جسم کو عافیت دی، اور میری روح کو واپس لوٹایا، اور مجھے اپنے ذکر کی اجازت دی۔" (جامع ترمذی:3401)

اپنے اعمال درست کر لو اور اپنی غلطیوں کی تلافی کر لو، کیونکہ یہ کچھ ہی دن ہیں اور تم اپنی دنیا سے کوچ کرو گے، اور اپنے رب سے اپنے اعمال کے ساتھ ملو گے!

اللہ فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا﴾

"جس دن ہر نفس اپنے کیے ہوئے نیک عمل کو اپنے سامنے پائے گا۔" (سورۃ آل عمران:30)

دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزا کا گھر ہے۔ جو یہاں عمل نہیں کرے گا، وہاں پچھتائے گا! ہر دن جو تم گزارتے ہو، وہ ایک غنیمت ہے۔

بعض سلف صالحین نے کہا:

لَوْ رَأَيْتَ يَسِيْرَ مَا بَقِيَ مِنْ أَجَلِكَ؛ لَزَهِدْتَ فِي طُوْلِ أَمَلِكَ، فَاعْمَلْ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَبْلَ الحَسْرَةِ والنَّدَامَةِ

"اگر تم اپنے بقیہ تھوڑے وقت کو دیکھو تو تم اپنی طویل امیدوں سے بے رغبت ہو جاؤ گے، تو روزِ قیامت کے لیے کام کر لو، حسرت اور ندامت سے پہلے!" (الزھد، الإمام أحمد:511)

اللہ فرماتا ہے:

﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لا يُؤْمِنُونَ* إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ ومَنْ عَلَيْها وإِلَيْنا يُرْجَعُونَ﴾

"اور انہیں حسرت کے دن سے ڈراؤ جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور وہ غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ ہم ہی زمین اور اس پر موجود سب کے وارث ہیں اور سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔" (سورۃ مریم: 39-40)

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما، اور شرک اور مشرکین کو ذلت نصیب فرما۔

اے اللہ! اپنے خلفاء راشدین، ہدایت یافتہ اماموں یعنی ابو بکر، عمر، عثمان اور علی سے راضی ہو جا، اور باقی صحابہ کرام، تابعین اور ان کے نیک پیروی کرنے والوں سے بھی قیامت کے دن تک راضی ہو جا۔

اے اللہ! غمزدوں کی غمخواری فرما، اور مصیبت زدوں کی مشکلات دور فرما۔

اے اللہ! ہمارے وطنوں کو امن عطا فرما، اور ہمارے ائمہ اور حکمرانوں کو درست راہ دکھا، اور (ہمارے حکمران اور ان کے ولی عہد) کو اپنی پسندیدہ اور رضا کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما، اور ان کی رہنمائی تقویٰ اور نیکی کی طرف فرما۔

اے اللہ! تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں مایوس لوگوں میں سے نہ بنا۔ اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں، بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے، تو ہم پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل فرما۔

اللہ کے بندو:

﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَآءِ ذِي القُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الفَحْشَاءِ وَالمُنْكَرِ وَالبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾

"بیشک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

پس اللہ کا ذکر کرو وہ تمہیں یاد رکھے گا، اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو وہ تمہیں زیادہ دے گا:

﴿وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾

"اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

☆☆☆

قیام اللیل کرو خواہ دو رکعت ہی

تابعی طلحہ بن مصرف رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کی خواتین اور خادموں کو قیام اللیل کا حکم دیا کرتے اور فرماتے:

"صَلُّوا وَلو رَكْعتَين فِي جَوفِ اللّيل؛ فإنّ الصّلاة فِي جَوف اللّيل تَحطُّ الأَوزَار، وهِي مِن أَشرفِ أعمَال الصّالحين."

"رات کے اندھیرے میں نماز پڑھا کرو خواہ دو رکعت ہی، بے شک رات کی نماز زندگی کے بوجھ اتار پھینکتی ہے اور نیک لوگوں کا شاندار ترین عمل بھی یہی ہے۔"

(مختصر قیام اللیل از مروزی: ص1144)

☆☆☆

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"میت وہ نہیں جس کی روح پرواز کر گئی، میت تو وہ ہے جو سمجھتا نہیں کہ اس کے رب کے اس پر کیا حقوق ہیں۔" (التذکرۃ: ص18)



اسباب کے باب میں چند اہم ضابطے

علمائے کرام نے اسباب کے سلسلے میں کچھ اہم قواعد ذکر کیے ہیں جنھیں خاطر رکھنا چاہیے:

1۔ وسائل و ذرائع اختیار کرنے والے کو چاہیے کہ اللہ عزوجل ہی پر حقیقی بھروسا کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب اور ان کا موجد ہے۔

2۔ یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے مربوط ہیں۔

3۔ کسی چیز کے سبب ہونے کا اثبات دو طریقوں سے ہو سکتا ہے جو درج ذیل ہیں:

ا۔ نامکمل

ب۔ ازرُوے تجربہ

مثلا آگ اشیا کو جلانے کا سبب ہے؛ لیکن اس طریقے میں ضروری ہے کہ کسی شے کے سبب ہونے کا ثبوت ظاہر اور اسی چیز کا بہ راہِ راست نتیجہ ہو کیوں کہ غیر ظاہر اور مخفی ثبوت حتمی اور یقینی نہیں ہوتا بلکہ عموماً محض دعویٰ اور وہم کی حیثیت رکھتا ہے، مثلاً یہ گمان رکھنا کہ چھلہ پہننا نظر بد سے حفاظت اور بچاؤ کا سبب ہے۔

توسل ووسیلہ

تعریف

لغت کی رُو سے توسل کا لفظ وسیلہ سے نکلا ہے؛ اور اِس سے مراد وہ شے ہے جس کے ذریعے کسی دوسری چیز تک پہنچا جاتا اور اس کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔

اقسام

اس کی دو قسمیں ہیں:

1۔ توسل مشروع

2۔ توسل ممنوع

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

مشروع توسل

اس کے تین اقسام ہیں:

1۔ اللہ عزوجل کے اسما و صفات میں سے کسی اسم و صفت کا وسیلہ پکڑنا۔

2۔ اپنے نیک عمل کے ذریعے توسل۔

3۔ کسی زندہ صالح شخص کی دعا کو وسیلہ بنانا۔

ممنوع توسل

مندرجہ بالا امورِ ثلاثہ کے علاوہ ہر قسم کا توسل ممنوع ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

1۔ بارگاہِ ایزدی میں دیگر اشخاص کے حق یا جاہ کا وسیلہ پکڑنا، یا بہ حق فلاں یا بہ جاہ فلاں کہہ کر سوال کرنا۔

2۔ اولیا اور صالحین سے دعا مانگنا اور ان کے لیے نذر ماننا۔

3۔ اولیا کی روحوں کے لیے جانور ذبح کرنا اور ان کی قبروں کے گرد چکر لگانا اور وہاں حلقے بنانا۔

غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا

ذبح کی تعریف

لغت کی رُو سے ذبح چیرنے پھاڑنے اور کاٹنے کا ہم معنی ہے۔

اصطلاحی زبان میں کسی ہستی کی تعظیم اور اس کے تقرب کی نیت سے کسی جان دار کو مخصوص طریقے سے ہلاک کرنا اور خون بہانا، ذبح کہلاتا ہے۔

اقسامِ ذبائح

یہ تین قسموں میں منقسم ہیں:

1۔ مشروع ذبائح　2۔ مباح ذبائح

3۔ شرکیہ ذبائح

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

مشروع ذبائح

مثلاً:

1۔ قربانی کرنا۔

2۔ خدا کے نام پر نذر کا جانور ذبح کرنا۔

3۔ ہدی (حرم میں بھیجا جانے والا قربانی کا جانور) ذبح کرنا۔

4۔ حج اور عمرہ میں فدیہ کی صورت میں جانور ذبح کرنا۔

5۔ بچوں کی ولادت پر عقیقہ کا جانور ذبح کرنا۔

6۔ قربِ خداوندی کے حصول کی خاطر صدقہ کا جانور ذبح کرنا۔

7۔ مہمانوں کے اکرام و خدمت کے لیے جانور ذبح کرنا۔

مباح ذبائح

مثلاً:

1۔ فروخت کرنے کے لیے قصاب کا جانور ذبح کرنا۔

2۔ عمومی طور پر کھانے کے لیے جانور ذبح کرنا۔

شرکیہ ذبائح

مثلاً:

1۔ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنا۔

2۔ جنوں کے لیے جانور ذبح کرنا۔

3۔ مشاہد، قبوں اور قبروں میں مدفون ہستیوں کی خاطر جانور ذبح کرنا۔

4۔ نئے گھر میں رہایش سے قبل اس نیت سے جانور

ذبح کرنا کہ جنوں سے حفاظت ہو سکے۔

5۔نئے شادی شدہ جوڑے کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے جانور ذبح کرنا اور ان دونو کا اس جانور کے خون پر چلنا۔

6۔اللہ کے لیے ذبح کرنا لیکن ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام لینا۔

خلاصۂ بحث

1۔ذبح عبادت ہے، لہٰذا اِسے غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک ہے۔اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

”آپ ﷺ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔“ (سورۃ الانعام:162)

2۔غیر اللہ کے لیے ذبح کو شرک اکبر قرار دیا جائے گا اور ایسا کرنے والا ملعون ہو گا۔اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ »

”جو شخص غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرے، اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“ (صحیح مسلم:1978)

غیر اللہ کی نذر و نیاز

تعریف

لغوی اعتبار سے نذر کے معنی الزام یعنی کوئی شے لازم کرنے کے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں اس سے مراد ہے:

"اِلْزَامُ الْمُكَلَّفِ نَفْسَهُ طَاعَةً غَيْرَ لَازِمَةٍ تَعْظِيْمًا لِلْمَنْذُوْرِ لَهُ

”کسی ہستی کی تعظیم کے پیش نظر مکلّف کا اپنے اوپر ایسا نیک عمل لازم کر لینا جو اُس پر لازم نہ تھا۔“

نذر عبادتِ الٰہی ہے

یہ معلوم رہنا چاہیے کہ نذر عبادت ہے جس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، لہٰذا خدا کے سوا کسی اور کے لیے نذر نہیں ماننی چاہیے۔جو غیر اللہ کے نام پر نذر مانتا ہے، وہ شرک اکبر کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾(سورۃ الدھر:7)

”جو نذر پوری کرتے ہیں۔“

اگر کسی نے غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کے لیے اپنے اوپر کوئی شے لازم کر لی تو یہ نذر شرک کہلائے گی، مثلاً:

1۔کوئی یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دی تو فلاں ولی کی قبر پر اتنی بکریاں پامال دوں گا۔

2۔اگر میرے ہاں اولاد ہوئی تو میں فلاں کے لیے اس کی قبر پر جانور ذبح کروں گا۔

3۔فلاں ولی یا جن کی نذر مجھ پر لازم ہے کہ میں تین جانور ذبح کروں۔

4۔بتوں کے نام پر نذر ماننا۔

5۔سورج اور چاند کے لیے نذر ماننا۔

استعانت، استغاثہ اور استعاذہ

معنی و مفہوم

1۔استعانت کے معنی اعانت طلب کرنے کے ہیں۔

2۔استغاثہ فریاد کرنے کو کہتے ہیں؛ یہ غوث سے نکلا ہے جس کے معنی فریاد رسی کے ہیں، یعنی کسی کو سخت نقصان اور ہلاکت سے بچانا۔

3۔استعاذہ سے مراد ہے: پناہ مانگنا۔

ا۔استعانت

اس کی دلیل قرآن شریف کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾(سورۃ الفاتحۃ:5)

”(اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“

ب۔استغاثہ

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ﴾

(سورۃ الانفال:9)

”(اور وہ وقت یاد کرو) جب تم رب سے (مدد کے لیے) فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول فرمالی۔“

ج۔استعاذہ

اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾(سورۃ الناس:1)

”فرما دیجیے میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔“

غیر اللہ سے استعانت، استغاثہ اور استعاذہ کا حکم

غیر اللہ سے مدد طلب کرنے، فریاد رسی چاہنے اور پناہ مانگنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

جائز

جب چار شرائط پوری ہوں تو یہ امور غیر اللہ کی طرف پھیرے جا سکتے ہیں:

ا۔استعانت، استغاثہ اور استعاذہ سے متعلق شرائط

1۔جس معاملے میں مدد و اعانت یا پناہ کی ضرورت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہ ہو۔

2۔مخلوق اس پر قادر ہو۔

ب۔جس سے اعانت اور مدد یا پناہ مانگی جا رہی ہے، اس سے متعلق شرائط

1۔وہ زندہ ہو (فوت شدہ نہ ہو۔)

2۔موقع پر موجود ہو (غائب نہ ہو۔)

شرکیہ

جب مذکورہ بالا چار شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی کم ہو تو اس صورت میں غیر اللہ سے مدد مانگنا،

اعانت چاہنا اور پناہ طلب کرنا شرک متصور ہوگا۔

شفاعت

تعریف

لغت کی رُو سے لفظ شفاعۃ، شَفَعَ يَشْفَعُ کا مصدر ہے جس کے معنی جوڑا بنانے کے ہیں۔ شَفع، وتر یعنی طاق کے بالمقابل آتا ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے شفاعت کے معنی ہیں: حصولِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لیے کسی غیر کو واسطہ بنانا، یعنی اس سے سفارش کرانا۔

شفاعت کے اقسام

اس کی دو قسمیں ہیں:

1۔ شفاعت منفیہ (غیر مقبولہ)

2۔ شفاعت مثبتہ (مقبولہ)

ان کی وضاحت درج ذیل ہے:

شفاعت منفیہ

اس میں نکاتِ ذیل قابل توجہ ہیں:

ا۔ تعریف

منفی اور غیر مقبول شفاعت سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ سے ایسے امور و معاملات میں سفارش کی درخواست کی جائے جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

ب۔ دلیل

اس کی دلیل عزوجل کا یہ فرمانِ عالی شان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾

(سورۃ البقرۃ: 254)

"اے ایمان والو! جو ہم نے تمھیں دے رکھا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہو؛ اِس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے، نہ دوستی اور نہ شفاعت؛ اور کافر ہی ظالم ہیں۔"

شفاعت مثبتہ

اس سلسلے میں درج ذیل امور لائق غور ہیں:

ا۔ تعریف

مقبول سفارش وہ ہے جو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے۔

ب۔ مقبول شفاعت کے شرائط

اس کی دو شرطیں ہیں:

1۔ شفاعت کرنے والے کو خدا کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہونی چاہیے۔

2۔ شفاعت کرنے والے اور جس کے حق میں سفارش کی جائے، دونو کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی حاصل ہو۔

ج: دلیل

اللہ عزوجل کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾

(سورۃ البقرۃ: 255)

"کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟!"

نیز خداوندِ عالم نے فرمایا:

﴿وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ﴾ (سورۃ النجم:26)

"اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دی سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے، اجازت دے دے۔"

زندہ اور صاحبِ قدرت شخص سے سفارش کرنے کا حکم

1۔ اگر آپ اس سے ایسے معاملے میں سفارش کی درخواست کرتے ہیں جو مشروع اور مباح ہے اور وہ اس پر قدرت بھی رکھتا ہے، تو یہ جائز اور خیر و بھلائی میں تعاون کے قبیل سے ہے۔

2۔ اگر غیر اللہ سے ایسی شے طلب کی جائے جس پر سوائے خدا کے اور کوئی قادر نہیں، تو یہ شرک ہے۔

☆☆☆

شیطان کی چال

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شیطان کی چالوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ آپ کو سمجھاتا ہے ان مساکین اور حاجت مندوں سے سپاٹ چہرے سے ملا کرو، زیادہ خندہ پیشانی کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ ان کے دل میں لالچ پیدا ہو جائے گا اور تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور یوں وہ آپ کو ان کی نیک دعاؤں سے، ان کے دل جیتنے سے، اور ان کی محبتیں سمیٹنے سے محروم کر دیتا ہے۔"

(اغاثۃ اللھفان: 1/209)

☆☆☆

عبادت کی تعریف

امام ابن قیم رحمہ اللہ عبادت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

العبادة عبارة عن الإعتقاد والشعور بأن للمعبود سلطة غيبية في العلم والتصرف فوق الأسباب يقدر بها على النفع والضر. فكل دعاء وثناء وتعظيم ينشأ من هذه الإعتقاد فهو عبادة.

"عبادت اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے علم اور تصرف کے معاملے میں، جس کی وجہ سے وہ ما فوق الاسباب نفع نقصان پر قادر ہے، اس لئے ہر تعریف، ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد اور شعور کی بنیاد پر ہو تو وہ عبادت ہے۔"(مدارج السالکین: 1/40)

☆☆☆



تعارف اور تبصرہ 'سفر بیت المقدس'

میرے ہاتھ میں اس وقت ایک دیدہ زیب، خوبصورت ٹائٹل کی حامل 216 صفحات پر مشتمل وہ کتاب ہے جسے "سفر بیت المقدس" کا عنوان دیا گیا ہے۔ مؤلف ہیں ہمارے دوست، رفیق میدان دعوت، نامور صحافی ، ادیب اور خطیب بے بدل، حافظ عبد الاعلیٰ درانی جنھوں نے ارض مقدس میں سات دن کی سرگزشت کو اپنے رہوار قلم کی جولانیوں سے ایک حسین گلدستے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ مکتبہ طارق اکیڈمی (فیصل آباد) اس علمی و دعوتی کاوش کو ایک گلشن تاباں کا روپ دینے پر مبارکباد کی مستحق ہے۔

مجھے خود بھی سرزمین فلسطین جانے کا اتفاق ہوا ہے لیکن صرف تین دن کے لیے اور پھر میرے مشاہدات شہر القدس، مقام موسیٰ اور بحر میت کی ایک جھلک تک محدود رہے لیکن حافظ صاحب کا قافلہ حبرون ، بیت اللحم ، اریحا اور بحر مردار کے تفصیلی مشاہدے کو محفوظ رکھنے میں کامیاب رہا۔ مؤلف کتاب نے اپنے سفرنامے کو تاریخ کے جھروکوں کی اوٹ میں یوں تصویر کشی کی ہے کہ ہر مقام زیارت کی تاریخ، وہاں کے باسیوں کی روئیداد حیات اور سیاست کے لبادوں میں چھپے حوادث و واقعات منہ بولتی تصویر نظر آتے ہیں۔ آیئے اور حافظ صاحب کے ساتھ اس بابرکت سفر کی چند جھلکیاں نظر نواز کرتے جائیں:

11 جولائی 2017ء کی صبح مانچسٹر ایئرپورٹ سے اس سفر کا آغاز ہوا جس کی پہلی منزل اسرائیل کے بین الاقوامی ہوائی اڈے لُدّ کی تنگنائیوں سے گزرتے ہوئے سرزمین بیت المقدس پہنچنا تھا۔

مسجد اقصیٰ کی زیارت سے قبل حافظ صاحب نے شہر القدس کے 11 دروازوں، 5 محلوں اور گردونواح کی شاہراؤں کا ایک نقشہ پیش کر دیا ہے اور پھر مسجد اقصیٰ میں قدم رکھتے ہی ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے مراحل، شاہ بابل کے ہاتھوں اس کی تباہی، یہود کی بابل کی اسیری، دوبارہ دام واپسی، ہیکل ثانی کی تعمیر اور پھر رومی کمانڈر کے ہاتھوں اس کا گرایا جانا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فتح عمری سے اسلامی دور کا آغاز ہوتا ہے اور پھر بنی امیہ کا ذکر ہے کہ جن کی بھرپور کوششوں سے مسجد اقصیٰ اور اس مسجد گنبد صخرہ کی خوبصورت عمارتیں اس قطعہ زمین پر جلوہ گر ہو سکیں۔

مسجد اقصیٰ اپنی قدامت اور اس کے پہلو میں گنبد صخرہ ایک حسین جھومر کی شکل میں اب تک مسلم و غیر مسلم سب کے لیے اپنے دامن میں ایسی کشش رکھتے ہیں کہ لوگ اس قطعہ مقدس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ حافظ صاحب نے ان دونوں کے دروبار کے مفصل تذکرے کے ساتھ مصلی مروانی کا بھی بخوبی تعارف کروایا ہے جو اکثر زائرین کی نگاہوں سے مخفی رہتا ہے۔

گنبد صخرہ کے حوالے سے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد اور کعب الاحبار سے ان کی بات چیت اور اس سے متعلقہ روایات کی چھان بین کا حق ادا کر دیا ہے۔

حافظ صاحب نے مسجد اقصیٰ میں اپنی حاضری کا والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ وہ امام مسجد صخرہ شیخ علی العباس اور امام مسجد اقصیٰ شیخ یوسف الزربائی، قدس زکوۃ کمیٹی کے رکن شیخ محمد الرحیبی سے اپنی ملاقاتوں، ان کے برادرانہ رکھ رکھاؤ اور زائرین مسجد اقصیٰ کے لیے ان کی نیک خواہشات کا بھی بخوبی تذکرہ کرتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی بیرونی فصیل کی جالیوں سے جھلکتی قبروں میں وہ ہندوستان کے ایک عظیم سپوت، بطل راہ حریت مولانا محمد علی جوہر کی آخری جائے استراحت کا بھی حوالہ دیتے ہیں اور ایسے ہی ان تمام معزز ہستیوں کا بھی جو قبرستان "ماملا" کے مکین بن چکے ہیں۔ پھر ایک فلسطینی گھرانے سے ملاقات جو شہیدوں کی رسم وفا کا آئینہ دار تھا۔ پہلے دن کی مصروفیات کا اختتام حافظ صاحب کی اہلیان فلسطین سے محبت اور چاہت کا عنوان تھا۔ اگلے چھ دنوں میں حافظ صاحب کی مصروفیات جن مقامات کا احاطہ کرتی رہیں، ان کی طرف اشارہ کرتا چلا جاتا ہوں لیکن قارئین سے التماس ہے کہ وہ ان اشارات کی تفصیل سے بہرہ ور ہونے کے لیے اس دلکش سفرنامے کے اوراق خود پلٹیں۔

1۔ جبل زیتون: اس سے مراد کیا ہے اور اس کے دامن میں کیا کچھ سمایا ہوا ہے اور اس ضمن میں مسجد سلمان فارسی ، مقام رابعہ بصری اور غار سلیمانی کے مشاہدات کا ذکر ہے۔

2۔ کنیسۃ القیامہ اور فتح عمری سے لے کر اب تک اس کا محفوظ رہنا، مسلمانوں کی وسعت ظرفی اور رواداری کا ایک کھلا نشان ہے اور اس ضمن میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی داد و دہش، فراخ ظرفی اور انصاف

پسندی کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔

3۔یروشلم کا تذکرہ ہو اور اسرائیلی بربریت و سفاکی کا تذکرہ نہ ہو، ایسا ناممکن ہے۔ حافظ صاحب کے صرف سات دن کے قیام کے دوران مسجد اقصیٰ میں فائرنگ کا واقعہ پیش آجاتا ہے جس میں تین فلسطینی جام شہادت نوش کرلیتے ہیں۔

4۔ حبرون (الخلیل) کا سفر جس کے دوران والدہ یوسف علیہ السلام کی قبر حل حلول میں مقام یونس علیہ السلام کے دیکھنے کا ذکر ہے اور پھر شہر الخلیل، مسجد ابراہیمی کا ذکر جس کے وسط میں ایک دیوار بنا کر اسے یہود اور مسلم، دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ قبور انبیاء اور زوجات ملی انبیاء پر فاتحہ خوانی اور پھر مسجد الخلیل میں صلاح الدین ایوبی کے منبر کا ذکر ہے جو ابھی تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔

5۔سیدنا عیسی علیہ السلام کی جائے ولادت بیت اللحم، مسجد عمر فاروق، بیت اللحم کے چند مقدس غار اور کئی دوسری مساجد کے احوال بتائے گئے ہیں۔

6۔ بحر مردار کے راستے میں مقام موسیٰ علیہ السلام کی زیارت، کیا یہاں واقعی حضرت موسی علیہ السلام کی قبر ہے؟

حافظ صاحب کا تحقیقی قلم اس گتھی کو خوب سلجھارہا ہے۔ یہ سمندر جو خود قوم لوط کی بستیاں الٹنے کی بنا پر وجود میں آیا، کیا اس کی زیارت کے لیے آیا جاسکتا ہے؟ اس فقہی مسئلہ پر بھی خامہ فرسائی کا حق ادا کیا گیا ہے۔

7۔ بحر مردار سے واپسی کے سفر میں اریحا(Jericho) کے قدیم شہر کے خدو خال کو موضوع سیاحت بنایا گیا ہے۔

میں خود اس راستے سے گزرا ہوں لیکن وقت کی کمی کی بنا پر صرف اریحا کے سنگ میل پر نظر ڈالنے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حافظ صاحب کی تحریر نے میری معلومات میں سے اضافہ کیا۔ خاص طور پر ارائیں برادری اور اریحا کے تعلق سے، یاسر عرفات کا ایک والہانہ تذکرہ بھی اس مناسبت سے رقم ہوگیا ہے۔

8۔یروشلم کی دوسری جانب جبل مکبر ہے جہاں میں ایک ساعت کھڑا رہا ہوں، حافظ صاحب نے مکبر اور تکبیر کے حوالے سے یہاں اپنے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

9۔یروشلم کے محلہ مسعودی اور مسجد عمر کی زیارت، فتح بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کے تناظر میں تاریخ کا حوالہ اور پھر صلاح الدین ایوبی کی ایک تصویر کا تذکرہ اور بعد ازاں اسرائیلی فوجیوں کی بندوقوں کے سایہ میں مسجد اقصیٰ کا داخلہ اور نماز کی ادائیگی اور بعد ازاں ایک فلسطینی ابو محمد کی ضیافت میں شرکت اور اس کی دکان کے حوالے سے ایک سرنگ کی دریافت کی عجیب داستان۔

10۔ محلہ داؤد، محلہ مغاربہ اور دیوار گریہ کی تاریخ اور اس کی حقیقت کے بارے میں ایک مستند تحریر جو کہ مسجد براق کے تذکرے پر ختم ہوتی ہے۔

1۔طریق درد و آلام (یعنی وہ راستہ جہاں بقول نصاریٰ حضرت عیسی علیہ السلام کو اپنی صلیب اٹھائے اپنی جائے صلیب تک جانا تھا) کے ایک گوشے میں ایک فلسطینی بھائی امجد ہاشمی کے شاندار ریسٹورانٹ کا تذکرہ جہاں مسلمان زائرین کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

12۔واپسی کا سفر کہ جس میں سرزمین لُدّ (کہ جہاں اسرائیل کا بین الاقوامی ہوائی اڈہ واقع ہے) پر کثرت سے اُگائے جانے والے درخت "غرقد" کا حدود اربعہ بتایا گیا ہے اور احادیث میں اس کے ذکر کی مناسبت بیان کی گئی ہے۔

ایئرپورٹ پر حافظ صاحب چند یہودیوں کے ساتھ دوستانہ بات چیت کا بھی لطف اٹھاتے رہے اور یوں یہ دلکش، دلربا گنجینہ معلومات اور دور حاضر کی ہفوات اسرائیلیات تیشۂ حافظ کی تابڑ توڑ ضربات سے بھرپور سفرنامہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور لبوں پر حافظ صاحب کے لیے دعائے خیر کے الفاظ آجاتے ہیں۔

آخر میں اپنی ایک گزارش حافظ صاحب کے گوش گزار کرتا چلوں کہ جس کے لیے ان کی توجہ کا طلب گار ہوں۔

"مروان نے قبۃ الصخرہ کیوں بنایا؟"

اس عنوان کے تحت صفحہ 52 سے 54 تک حافظ صاحب نے یعقوبی، ابن کثیر، دمیری اور ابن تغری بردی کے حوالے سے ایک رائے کا اظہار کیا ہے کہ مروان نے قبۃ الصخرہ جیسی عالی شان عمارت عبداللہ بن زبیر کی مخاصمت میں آکھڑی کی تھی بلکہ اہل شام کو حج پر جانے سے کلی روک دیا تھا اور حج کے متبادل کے طور پر لوگوں کو گنبد صخرہ کی طرف مائل کیا تھا۔

حوالے کے طور پر ابن کثیر کی روایت لیکن انگریزی ترجمے کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ میں حافظ صاحب سے ملتمس ہوں کہ وہ مندرجہ ذیل نقاط کی روشنی میں اس رائے پر نظر ثانی کریں یا اس دوسری رائے کا بھی ذکر کرتے چلیں جسے ڈاکٹر محمد ضیاء الریس نے اپنی کتاب (عبدالملک بن مروان والدولۃ الأمویہ) میں اور توفیق محمد عبدالجواد نے اپنی تالیف "تاریخ العمارۃ الفنون الاسلامیہ" میں ذکر کیا ہے۔

1۔حافظ صاحب نے ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے (بزبان انگریزی)۔ یہ عبارت البدایہ والنہایہ کی جلد 8 میں صفحہ 340 پر موجود ہے۔ ابن کثیر نے 66ھ کے حالات کے تحت بحوالہ "صاحب مرآۃ الزمان" تحریر کیا ہے کہ اس سال عبدالملک نے بیت المقدس کی چٹان پر گنبد اور جامع الاقصیٰ کی تعمیر شروع کی تھی جو سن 73 میں پایہ تکمیل تک پہنچی اور اس کے بعد بطور سبب عبداللہ بن زبیر کی مخاصمت کا ذکر کیا ہے۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ان دونوں عمارتوں کی تعمیر عبد الملک کے زمانے میں شروع ہوئی تھی۔ مروان کا زمانہ خلافت بہت مختصر تھا، صرف دس ماہ۔

2۔ عبد الملک اپنی فقاہت ، علم اور علماء کی قدر و منزلت کے حوالے سے معروف ہے، اس لیے اس کام کی نگرانی کے لیے قاضی رجاء بن حیوۃ اور اپنے آزاد کردہ غلام یزید بن سلام کا انتخاب کیا۔

یہ دونوں اتنے امانت دار انسان تھے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد ایک گراں قدر رقم بشمول سیم وزر بچ گئی تھی، انہوں نے خلیفہ کو لکھا کہ وہ اس رقم کا کیا کریں؟

خلیفہ نے جواباً لکھا کہ ہم تمہیں یہ رقم بخشتے ہیں۔ ان دونوں نے انکار کیا بلکہ یوں تک کہا کہ اگر ہمیں اپنی خواتین کا زیور بیچ کر بھی اس عمارت کے حسن کو دوبالا کرنا پڑتا ہے تو ہم کر گزرتے ہیں تو خلیفہ نے حکم دیا کہ پھر یہ سارا سونا، چاندی گنبد اور دروازوں کی تزئین و آرائش پر لگا دیا جائے جس کی تعمیل کی گئی۔

3۔ یروشلم کی عمارات بازنطینی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار تھیں اور عبد الملک چاہتا تھا کہ ایک ایسی عمارت کھڑی کی جائے جو اسلامی اور عربی تہذیب کی عکاس ہو اور لوگ اس کے سامنے رومی اور بازنطینی نقش و نگار کو بھول جائیں۔ اس لیے عبد الملک نے ان دونوں عمارتوں (مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ) پر پانی کی طرح رقم خرچ کی اور واقعی دنیا آج تک یروشلم کے قبہ صخرہ کے حسن کے سحر میں گرفتار ہے۔

عبد الملک نے عربی تہذیب کو اجاگر کرنے کے لیے کئی دوسرے کام بھی کیے۔ سرکاری رجسٹروں (یعنی دیوان) کی زبان فارسی اور رومن سے عربی میں تبدیل کی گئی۔ عربی سکے ڈھالے گئے اور شہر القدس کو عربی تہذیب کا گہوارہ بنایا گیا۔

4۔ زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ بنو امیہ کو اس بات کا خدشہ رہتا تھا کہ اہل شام جب حج کے لیے جاتے ہیں تو انہیں عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کے لیے مجبور کیا جاتا ہے، اس لیے وہ شامیوں کے حج پر جانے کے خواہاں نہ تھے لیکن عبد الملک جیسے فقیہ اور صاحب علم سلطان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ گنبد صخرہ کو حج کے ایک متبادل کے حیثیت سے متعارف کرائے۔

5۔ یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ سیاسی مخاصمت (اموی، علوی، عباسی وغیرہ) کی وجہ سے بعد میں آنے والے مؤرخین اپنی ذاتی وابستگیوں کی بنا پر کئی بے سند باتیں ذکر کرتے چلے جاتے ہیں جنہیں اگر حدیث کی جانچ کے اصولوں سے نہ سہی بلکہ عقلی اور بے تعصبی کی آنکھ سے دیکھ لیا جائے تو انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور اس کی ایک بڑی مثال جنگ جمل، صفین اور واقعہ کربلا کے ضمن میں ان بہت سی بے سروپا حکایات سے ہے جو میزان عقل و دانش میں پوری نہیں اترتی ہیں۔

☆☆☆

افضل ترین قبر

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قبر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أفضل قبر على وجه الأرض وقد نهى عن اتخاذه عيداً فقبر غيره أولى بالنهي كائناً من كان .

”رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک زمین پر افضل ترین قبر ہے، اور اسے میلہ گاہ بنانے سے منع کر دیا گیا ہے تو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر سے ممانعت تو بالاولی ہے چاہے وہ کسی کی بھی ہو۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم: 172/2)

☆☆☆

دوستی کی حفاظت کرنا

امام شافعی رحمہ اللہ اپنے شاگرد یونس بن عبد الاعلی رحمہ اللہ کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”اے یونس! اگر تمہیں کسی دوست کے متعلق ناپسندیدہ بات پہنچے تو دشمنی پالنے اور تعلق ختم کرنے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کرتا۔ بلکہ تم اس دوست کو ملو اور اس کو بتاؤ کہ مجھے تمہارے متعلق یہ اور یہ بات پہنچی ہے۔ بہتر ہے کہ بات پہنچانے والے کا نام بھی لے لو۔ پھر اگر دوست انکاری ہو تو اس سے کہو: ٹھیک ہو گیا، تم میرے لیے اس مخبر سے زیادہ سچے اور قابلِ اعتبار ہو۔ اور مزید مت کریدو۔ اور اگر وہ دوست اُس بات کا اعتراف کرے تو دیکھو کہ اس کا کوئی معقول عذر ہو سکتا ہے، اسے قبول کر لو۔“

(حلیۃ الأولیاء:121/9)

☆☆☆

کشادگی اور آسانی آپ کا مقدر ہوگی

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عندما تيأس من كُلِّ شيء وتتعلّقُ بالله وحده بصدق وتدعوه بيقين : فإنّ الفرَج والتيسير يأتيك مِنْ حيث لا تحتسب...."

”جب آپ ہر چیز سے مایوس ہو جائیں اور صدقِ دل سے ایک اللہ سے تعلق قائم کر لیں اور پختہ یقین کے ساتھ اس کو پکاریں تو پس کشادگی و آسانی وہاں سے آپ کے پاس آئے گی جہاں سے آپ اس کا تصور بھی نہیں کرتے۔۔۔'

(الفوائد لابن القیّم:ص86)



تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

افکار ولی اللہ

اسی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے ہندوستان میں جناب شاہ ولی اللہ نے متعدد تصانیف میں بحث کی ہے۔ یہاں ان کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے ایک عبارت نقل کی جاتی ہے:

و عن شريح انّ عمر بن الخطاب كتب اليہ ان جاء ك شيء في كتاب الله فاقض به ، و لا يلفتك عنہ الرّجال ، فان جاء ك ما ليس في كتاب الله فانظر سنة رسول الله ﷺ، فاقض بها، فان جاء ك ما ليس في كتاب الله ولم يكن فيہ سنة رسول الله ﷺ ، فانظر ما اجتمع عليہ النّاس ، فخذه ، فان جاء ك ما ليس في كتاب الله ، و لم يكن في سنة رسول الله ﷺ و لم يتكلّم فيہ ا حد قبلك ، فاختر ايّ الامرين شئت ان شئت ان تجتهدبرأيك ثمّ تقدم ، فتقدم- وان شئت تتأ خر ولا ارى التّاخر الّا خيراً لك-

و عن عبد الله بن مسعود قال: أتى علينا زمان لسنا نقضي و لسنا هنا لك، وإنّ الله قد قدر من الأمر ان قد بلغنا ما ترون، فمن عرض له قضاء بعد اليوم فليقض فيه بما في كتا ب الله عزّ وجل، فإن جاءه ما ليس في كتاب الله فليقض بما قضى به رسول الله ﷺ، فإن جاءه ما ليس في كتاب الله، و لم يقض به رسول الله ﷺ فليقض بما قضى به الصّالحون و لا يقل انّي أخاف وإنّي أرى، فإنّ الحرام بيّن والحلال بيّن، وبين ذلك أمور مشتبهة. فدع ما يريبك إلى ما لا يريبك.

و كان ابن عباس إذا سئل عن الأمر فإن كان في القرآن أخبر به ، وإن لم يكن في القرآن و كان عن رسول الله ﷺ أخبر به، و إن لم يكن فعن أبي و عمر، فإن لم يكن قال فيه برأيه. عن ابن عباس أما تخافون إن تعذبوا ، أو يخسف بكم ان تقولوا قال رسول الله ﷺ و قال فلان.

عن قتادة قالَ: حديث ابن سيرين رجلاً بحديث عن النّبيّ ﷺ فقال الرّجل: قال فلان: كذا و كذا ، فقال ابن سيرين أحدثك عن النّبيّ ﷺ و تقول قال فلان كذا و كذا.

عن الأوزاعي قال: كتب عمر بن عبد العزيز أنّه لا رأى لاحد في كتاب الله و إنّما رأى الآئمة فيما لم ينزل فيه كتاب، و لم تمض فيه سنة من رسول الله ﷺ، ولا رأى لاحد في سنة سنّها رسول الله ﷺ.

عن الأعمش قال: كان إبراهيم يقول: يقوم (أي المقتدى عن يسار الإمام) عن يساره، فحدثته عن سميع الزيات عن ابن عباس أنّ النّبيّ ﷺ اقامه عن يمينه، فأخذ به عن الشعبي، جاءه رجل يسأله عن شيء فقال: كان ابن مسعود يقول فيه كذا وكذا قال: أخبرني أنت برأيك، فقال ألا تعجبون من هذا اخبرته عن ابن مسعود، و يسألني عن رأيي، و دينيي عندي آثر من ذلك، و الله لأن اتغني باغنية (اغنية واحدة الاغاني) أحب إليّ من أن أخبرك برأيي. أخر ج هذه الآثار كلّها الدارمي.

و اخرج الترمذي عن أبي السّائب قال: كنّا عند وكيع، فقال لرجل ممن ينظر في الرأي: أشعر رسول الله، و يقول أبو حنيفة: هو مثله؟ قال الرجل فإنّه قد روى عن إبراهيم النّخعي انه قال: الاشعار مثلة. (الاشعار أن يّضرب في صفحة سنام الهدى من الجانب الأيمن بحديدة حتى يتلطخ بالدم ظاهراً. و المثلة جدع الأنف و الأذن أو الذكر أو شيء من الأطرا ف و إنّما كره الاشعار عند أبي حنيفة إذا كان على و جه يخاف منه هلاك الهدى و الّا فهو سنة) قال: رأيت وكيعاً غضب غضباً شديداً و قال: أقول لك: قال رسول الله ﷺ ، و تقول: قال إبراهيم ، ما أحقك بأن تحبس، ثم لا تخرج حتى تنز ع عن قو لك هذا.

وعن عبد الله بن عباس و عطاء ومجاهد ومالك بن أنس إنّهم كانوا يقولون: ما من أحدٍ إلّا وهو ماخوذ من كلامه و مردود عليه الّارسول الله ﷺ.

وبالجملة فلما مهدوا الفقه على هذه

القواعد، فلم تكن مسألة من المسائل الّتي تكلّم فيها من قبلهم والّتي وقعت فی زمانهم الّا وجدوا فيها حديثاً مرفوعاً متصلاً أو مرسلاً أو موقوفاً صحيحاً أو حسناً أو صالحاً للإعتبار، أو وجدوا أثراً من آثار الشيخين أو سائر الخلفاء و قضاة الأمصار وفقهاء البلدان، أو استنباطاً من عموم أو ايماء أو اقتضاء، فيسر الله لهم العمل بالسّنة على هذا الوجه.

وكان أعظمهم شاناً و أوسعهم رواية وأعرفهم للحديث مرتبة و اعمقهم فقهاً أحمد بن محمد بن حنبل، ثمّ اسحاق بن را هويه، وكان ترتيب الفقه على هذا الوجه يتوقف على جمع شيء كثير من الأحاديث و الآثار حتّى سئل أحمد يكفی الرّجل مأة ألف حديث حتى يفتی؟ قال: لا. حتى قيل خمس مأة ألف حديث قال: ارجوا كذا فی غاية المنتهى ومراده الافتاء على هذا الاصل.

ثم انشأ الله تعاليس قرناً آخر، فرأوا أصحابهم قد كفوا مؤنة جمع الأحاديث ونمهيد الفقه على أصلهم، فتفرغوا لفنون أخرى: كتمييز الحديث الصحيح المجمع عليه بين كبراء أهل الحديث كزيد بن هارون و يحی بن سعيد القطان و أحمد وإسحاق و اضرابهم، وكجمع أحاديث الفقه الّتی بنى عليها فقهاء الأمصار وعلماء البلدان مذاهبهم ، و كالحكم على كل حديث بما يستحقه، كالشاذة و الفاذة من الاحاديث الّتی لم يرووها، أو طرقها الّتی لم يخرجوا من جهتها الأوائل ممّا فيه اتصال أو علو سند أو رواية فقيه عن فقيه أو حافظ عن حافظ ، و نحو ذلك من المطالب العلمية، وهؤلاءهم: البخاری ومسلم، و أبو داؤد، و عبد بن حميد، والدارمی، و ابن ماجه، و أبويعلى، والترمذی، و النسائی، و الدار قطنی ، والحاكم، والبهيقی، والخطيب، والديلمی، و ابن عبد البر و أمثالهم.

و كان أوسعهم علماً عندی و انفعهم تصنيفاً و اشهرهم ذكراً رجال أربعة متقاربو ن فی العصر:

أوّلهم: أبو عبد الله البخاری وكان غرضه تجريد الأحاديث الصحاح المستفيضة المتّصلة من غيرها، واستنباط الفقه والسّيرة و التّفسير منها، فصنّف جامعه الصحيح، و وفّی بما شرط، و بلغنا انّ رجلاً مّن الصّالحين رأى رسول الله ﷺ فی منامه و هو يقول: مالك اشتغلت بفقه محمد بن إدريس و تركت كتابی، قال: يارسول الله و ما كتابك؟ قال: صحيح البخاری. و العمری انّه نال من الشّهرة و القبول درجة لا يرام فوقها.

وثانيهم:مسلم النيسابوری، توخی (قصد) تجريد الصحاح المجمع عليها بين المحدّثين المتّصلة المرفوعة ممّا يستنبط منه السنة، و أراد تقريبها إلى الأذهان و تسهيل الاستنباط منها، فرتب ترتيبا جيداً، و جمع طرق كل حديث فی موضع واحد؛ ليتضح اختلاف المتون، وتشعب الاسانيد اصرح ما يكون و جمع بين المختلفات فلم يدع لمن له معرفة لسان اعرب عذراً فی الاعراض عن السنة إلى غير ها.

وثالثهم: أبوداؤد السجستانی، و كان همّته جمع الاحاديث الّتی استدلّ بها الفقهاء ودارت فيهم ، و بنى عليها الاحكام علماء الامصار، فصنّف سننه، و جمع فيها الصّحاح والحسن واللّين والصالح للعمل.

قال أبوداؤد: ما ذكر ت فی كتابی حديثاً أجمع النّاس على تركه، و ما كان منها ضعيفاً صرح بضعفه، و ما كان فيه علة بيّنها بوجه يعرفه الخائض فی هذا الشان، و ترجم على كل حدث بما قد استنبط منه عالم. و ذهب إليه ذاهب، و لذلك صرّح الغزا لی وغيره بأن كتابه كاف للمجتهد.

و رابعهم: أبو عيسى الترمذی، و كأنه استحسن طريقة الشيخين حيث بيّنا وما أبهما، و طريقة أبی داؤد حيث جمع كل ما ذهب إليه ذاهب، فجمع كلتا الطريقتين و زاد عليهما بيان مذاهب الصحابة والتابعين وفقهاء الامصار فجمع كتاباً جامعاً واختصر طرق الحديث اختصاراً لطيفاً، فذكر واحداً، و أومأ إلى ما عداه، و بيّن أمر كلّ حديث من انّه صحيح أو حسن أو ضعيف أو منكر، و بيّن وجه الضّعف، ليكون الطالب على بصيرة من امره، فيعرف ما يصلح للاعتبار عمّا دونه، و ذكر انّه مستفيض أو غريب، و ذكر مذاهب الصّحابة و فقهاء الامصار، و سمّى من يحتاج الى التّسمية و كنى من

يحتاج إلى الكنية. و لم يدع خفاء لمن هو من رجال العلم، و لذلك يقال: إنّه كاف للمجتهد مغنٍ للمقلد.

و كان بازاء هؤلاء فی عصر مالك وسفيان، و بعد هم قوم لا يكرهون المسائل ، و لا يهابون الفتيا و يقولون: على الفقه بناء الدّين، فلابدّ من اشاعته، و يهابون رواية حد يث رسول الله ﷺ و الرفع إليه حتى قال الشعبی: على من دون النّبیّ أحبّ إلينا، فإن كان فيه زيادة أو نقصان كان على من دون النّبیّ ﷺ .

و قال إبراهيم أقول: قال عبد الله ، و قال علقة: أحبّ إلينا،و كان ابن مسعود إذا حدث عن رسول الله ﷺ تربد(اى تغير) وجهه و قال: هكذا أو نحو هكذا و نحوه.

وقال عمر حين بعث رهطاً من الأنصار إلى الكوفة: إنكم تأتون الكوفة ، فتأتون قوماً لهم أزيز (أی صوت بالبكاء) بالقرآن فيأتونكم فيقولون:

قدم أصحاب محمدﷺ قدم أصحاب محمد ﷺ ، فيأتونكم فيسألونكم عن الحديث فأقلوا الرّواية عن رسول الله ﷺ.

قال ابن عون: كان الشعبی اذا جاءه شئی اتقی، وكان إبراهيم يقول و يقول: أخرج هذه الآ ثار الدارمی.

فوقع تد وين الحديث الفقه و المسائل من حاجتهم بموقع من وجه آخر و ذلك أنه لم يكن عندهم من الأحاديث و الآثار ما يقدرون به على استنباط الفقه على الأصول الّتی اختارها أهل الحديث، و لم تنشرح صدورهم للنّظر فی أقوال علماء البلدان و جمعها والبحث عنها، واتهموا أنفسهم فی ذلك، وكانوا اعتقدوا فی آئمتهم أنّهم فی الدرجة العليا من التحقيق، وكان قلوبهم أميل شئی إلی أصحابهم كما قال علقمة: هل أحد منهم أثبت من عبد الله؟ وقال أبو حنيفة: إبراهيم أفقه من سالم، و لولا فضل الصحبة لقلت: علقمه أفقه من ابن عمر .

و كان عندهم من الفطانة و الحدس وسرعة انتقال الذهن من شئی إلی شیء ما يقدرون به على تخريج جواب المسائل على أقوال أصحابهم : و كل ميسر لما خلق له ؛ و قو له تعا لی: ﴿كل حزبٍ بما لديهم فرحون﴾ (الروم:٣٢)

فمهدوا الفقه على قاعدة التخر يج، وذلك أن يحفظ كل أحد كتاب من هو لسان أصحابه و اعرفهم باقوال القوم واصحهم نظراً فی الترجيح، فليتأمّل فی كلّ مسألة وجه الحكم، فكلّما سئل عن شیء ، أو احتاج إلی شيئ رأی فيما يحفظه من تصريحات أصحابه، فإن وجد الجواب فيها، و إلا نظر إلی عموم كلامهم، فاجراه على هذه الصّورة، أو إشارة ضمنية لكلام، فاستنبط منها.

و ربما كان لبعض الكلام ايماء أو اقتضاء يفهم المقصود، وربما كان للمسألة المصرح بها نظير يحمل عليها.

و ربما نظروا فی علة الحكم المصرح به بالتخر يج أو باليسر والحذ ف، فاداروا حكمه على غير المصرح به.

و ربما كان له كلامان لو اجتمعا على هيأة القياس الاقترانی أو الشرطی انتجا جواب المسألة.

و ربما كان فی كلامهم ما هو معلوم بالمثال والقسمة غير معلوم بالحد الجامع المانع، فيرجعون إلی أهل اللسان، و يتكلّفون، فی تحصيل ذا تياته ، و ترتيب حد جامع مانع له، و ضبط مبهمه و تميز مشكله.

و ربما كان كلامهم محتملاً بوجهين، فينظرون فی ترجيح أحد المحتملين، وربما يكون تقريب الدلائل خفياً، فيبينون ذلك.

و ربما استدلّ بعض المخر جين من فعل آئمتهم و سكوتهم و نحو ذلك.

فهذا هو التخر يج و يقال له القول المخرج لفلان كذا، و يقال على مذهب فلان، أو على أصل فلان، أو على قول فلان جواب المسألة كذا و كذا. و يقال لهؤلاء: المجتهدون فی المذهب، و عنی هذا الاجتهاد على هذا الاصل من قال من حفظ المبسوط كان مجتهداً. أی و إن لم يكن له علم بروا ية أصلاً، ولا بحديث واحد فوقع التخر يج فی كل مذهب، وكثر، فأی مذهب كان أصحابه مشهورين و سّد إليهم القضاء والافتاء، واشتهرت تصانيفهم فی النّاس، و درسوا درساً ظاهراً انتشر فی اقطار الأرض، ولم يزل ينتشر كل حين. و ای مذهب كان أصحابه خاملين، و لم يولوا القضاء والافتاء و لم ير غب فيهم الناس اندرس بعد حين.(حجة الله البالغة: 1/ 278-283)

